رمضان اور جدید مسائل

جدید محقق واضافہ شدہ ایڈیشن

تصنیف

حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

ناشر

شعبہ تحقیق واشاعت

ملنے کا پتہ

جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، باگلور، بنگلور

رمضان اور جدید مسائل

تصنیف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور
وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ
ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

ناشر

فیصل پبلیکیشنز دیوبند

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

عناوین	صفحہ

تراویح

صدقۂ فطر وفدیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

التقریظ

فقیہ العصر، قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نور اللہ مرقدہ

مولانا شعیب اللہ مفتاحی، بنگلوری، اس وقت ملک کے ممتاز علماء اور جید الاستعداد فضلاء میں سے ہیں، جنہیں اللہ نے فہم دین اور تفقہ، نیز ذوقِ تحقیق کی دولت عطا فرمائی ہے۔ مجمع الفقہ الاسلامی کے مذاکرات میں ہم ان کے مقالات و بحوث سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی مولانا موصوف کی تصنیف ’’رمضان اور جدید مسائل ‘‘نظر سے گزری، اکثر و بیشتر جدید مسائل جن سے آج روزہ دار دوچار ہوتے ہیں، ان سب پر موصوف نے بحث کی ہے اور مشکلات کا حل نکالا ہے۔

فجزاهم الله خير الجزاء.

علمی مسائل اور اجتہادی آراء میں اختلاف نظر و فکر ضروری ہے؛ لیکن اپنی رائے پر اصرار اور ضد نہ ہو، حق کی تلاش ہو تو یہ حسن ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ مولانا موصوف نے جدید مسائل کے صحیح حل کے لئے صحیح راہ اختیار کی۔

میں توفیق مزید کی دعا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کتاب سے مسلمانوں کو اور اہل علم کو فائدہ پہنچے گا۔ ان شاء اللہ فقط

(حضرت اقدس مولانا) مجاہد الاسلام (صاحبؒ)

نزیل دار العلوم سبیل الرشاد، بنگلور

بتاریخ: ۵/ مارچ ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

التقریظ

شیخ الحدیث حضرت علامہ رفیق احمد صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہ

خلیفۂ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

رسالہ ''رمضان اور جدید مسائل'' مؤلفہ عزیزم مولانا محمد شعیب اللہ صاحب مفتاحی، بنگلوری، مہتمم مدرسہ مسیح العلوم بنگلور کا مسودہ دیکھا۔ تفصیل سے مطالعہ کا موقعہ تو نہ ملا، البتہ چیدہ چیدہ مقامات نظر سے گزرے، رسالہ بہت خوب ہے، اور عالم نوجوان نے بڑی سلیقہ مندی اور تخلیق وکاوش سے کام لیا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ نافع اور مفید ہوگا۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو قدر دانی اور حوصلہ افزائی کا جذبہ عطا فرمائیں۔

رسالہ کا امتیاز یہ ہے کہ جدید مسائل پر عمدہ تحقیقات پیش کی گئی ہیں اور نظر غائر سے مطالعہ کیا جائے تو سکون قلب اور اطمینان شرعی حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مفید اور نافع فرمائیں۔

(حضرت علامہ) رفیق احمد (صاحب) وارد حال بنگلور

بتاریخ: ۷/ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ

مطابق ۱۶/ مارچ ۱۹۸۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

التقریظ

حضرت مولانا مفتی مہربان علی صاحب رحمہ اللہ

استاذ مدرسہ امداد الاسلام، ہرسولی (یوپی)

زیر نظر کتاب ''رمضان اور جدید مسائل'' اپنے موضوع پر مفید، مؤثر اور تحقیقی کتاب ہے، بندہ نے اس کا مسودہ اضافہ کے بعد دیکھا ہے، محترم مولانا شعیب اللہ صاحب کے دینی اور تحقیقی دیگر رسائل و کتب کی طرح ان شاء اللہ یہ کتاب بھی پسندیدہ نگاہوں سے دیکھی اور پڑھی جائے گی۔ اللہ تعالی شرور وفتن سے حفاظت فرمائے اور موصوف کو علمی، عملی، تقریری، ظاہری، باطنی ہر نوع کی ترقیات سے اللہ تعالی نوازتا رہے۔ صدق وصفا کی دولت سے اللہ تعالی ہر صاحب ایمان کو حصہ عطا فرمائے، کفر کی ظلمات ختم ہوں، ایمانی اور اسلامی شعاؤں سے پورا عالم منور ہو جائے

اللهم أتمم لنا نورنا واغفرلنا إنك على كل شيء قدير۔

والسلام

(حضرت مولانا) مہربان علی بڑوتوی (صاحب)

بتاریخ: ۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ، چہارشنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

التقریظ

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی زید مجدہ

(استاذ دارالعلوم دیوبند)

حامداً ومصلیاً:

عزیزم مکرم جناب مولانا مفتی محمد شعیب اللہ صاحب مفتاحی مدفیضہ، مہتمم مدرسہ مسیح العلوم، بنگلور ایک جید الاستعداد عالم ہیں، تالیف اور تصنیف کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، اخبارات اور جرائد میں ان کے مفید اور تحقیقی مضامین برابر چھپتے ہیں اور متعدد کتابیں زیورطبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں اور لوگ ان سے بھرپور استفادہ کررہے ہیں، کلمۂ حق مولانا موصوف کا امتیازی وصف ہے، ''رمضان اور جدید مسائل'' مولانا کی ایک وقیع اور معلومات افزاء تصنیف ہے، اس میں بہت ہی اہم اور ضروری مسائل جمع کردئے ہیں۔ یہ کتاب ہر گھر میں رہنے کے قابل ہے اللہ تعالی اس کو قبول تام عطا فرمائے۔ (آمین)

(حضرت مولانا) عبدالرحیم صاحب بستوی (زید مجدہ)

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند (یوپی)

بتاریخ: ۱۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

التقریظ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہ

صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد

شریعت اسلامی کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی جامعیت اور ابدیت ہے، زندگی کا کوئی شعبہ نہیں کہ اسلام نے اس کو اپنے نور ہدایت سے محروم رکھا ہو۔ عبادات ہو یا معاملات، شخصی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی۔ اسلام نے کہیں بھی انسانیت کو اندھیرے میں نہیں رکھا۔ اسی طرح اسلام ایک عہد اور ایک دور کا مذہب نہیں بلکہ وہ قیامت تک انسان کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا، اس نے انسانی زندگی کے لئے ایسے اصول وقواعد مقرر کردئے ہیں کہ ہر عہد میں اس کی تطبیق کے ذریعہ مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا رہا ہے۔

پھر ہمارے فقہاء کرام نے ذہانت وبالغ نظری اور فکر رسا کے ذریعہ قرآن وحدیث سے اخذ واستنباط اور فکر واجتہاد کا جو عظیم سرمایہ ہدایت کے لئے چھوڑا ہے وہ خود بھی خضر طریق کا درجہ رکھتا ہے اور کم ایسے مسائل ہوں گے کہ جن کی عقدہ کشائی اس عظیم علمی سرمایہ سے نہ ہو پاتی ہو۔ اس لئے علماء کا فریضہ منصبی ہے کہ وہ ہر عہد کے نئے پیدا شدہ مسائل کو حل کریں اور ہر زمانہ میں علماء وارباب افتاء اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوتے رہے ہیں۔ عصر حاضر نے جو نئے مسائل پیدا کئے ہیں ان میں بہت سے مسائل وہ ہیں جو روزہ ورمضان سے متعلق ہیں۔ یوں تو اس موضوع پر فتاوی

اور احکام کے ذیل میں مختلف اہل علم نے قلم اٹھایا ہے ؛لیکن ان مسائل کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ کوئی صاحب علم مستقل طور پر اس موضوع پر قلم اٹھائے اور اس کو اپنی بحث اور گفتگو کا موضوع بنائے ، محبی مولانا محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی (مہتمم مدرسہ مسیح العلوم ، بنگلور) کو اللہ جزائے خیر دے کہ انہوں نے یہ قیمتی تحریر خاص اس موضوع پر مرتب کی ہے ،جس میں رؤیت ہلال ،طویل الاوقات علاقوں میں روزہ ، نماز اور روزہ کی نسبت سے اس عہد میں پیدا ہونے والے مسائل پر بصیرت مندانہ گفتگو کی گئی ہے۔

یوں تو خصوصیت سے نئے مسائل میں اختلاف رای کی گنجائش رہتی ہے اور ممکن ہے کہ بعض اہل علم کو بعض مسائل میں ان کے نقطۂ نظر سے اختلاف ہو،لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مصنف نے اخلاص اور محنت کے ساتھ ان احکام پر بحث کرنے اور نتائج اخذ کرنے کی سعی کی ہے اور ہر جگہ سلف صالحین کے نقش قدم کو اپنے لئے نقش پیروی بنایا ہے۔

فجزاه الله خير الجزاء وبارك الله في علمه و نفع به المسلمين۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو قبول عام وتام اور مؤلف گرامی کو مزید علمی کاموں کی توفیق عطا فرمائے ،اور علم وقلم کا یہ مسافر ہمیشہ تعب وتھکن سے نا آشنا رہے۔ وبالله التوفيق وهو المستعان۔

(حضرت مولانا) خالد سیف اللہ رحمانی (مدظلہ)

خادم حدیث وفقہ دار العلوم سبیل السلام ،حیدر آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اولیں

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم ، أما بعد:

دورِ حاضر کے جدید اکتشافات وتحقیقات ، نئے نئے آلات وایجادات اور حیرت افزا حالات وواقعات نے جو بے شمار مسائل پیدا کردئے ہیں، ان میں سے بہت سے مسائل وہ ہیں جن کا تعلق دین کے ایک اہم شعبہ یعنی فقہ سے ہے، ان مسائل نے علماءِ اسلام کو ان کے حل کرنے کی دعوت دے دی ہے۔

اور یہ علم وتحقیق کی ترقی وتطویر اگر ایک طرف انسانیت کے لئے ایک تحفۂ نادرہ اور نعمت غیر مترقبہ ہے تو دوسری طرف دین اسلام کی حقانیت وصداقت ، اس کی علمیت ومعقولیت کو آشکارا کرنے کی ایک خدائی تدبیر ہے؛ کیونکہ جوں جوں ایسے مسائل سامنے آکر اسلامی نقطۂ نظر سے حل ہوتے جائیں گے، اسلام کی صداقت وحقانیت کا پرچم اتنی ہی جرأت کے ساتھ بلند کیا اور لہرایا جاسکے گا اور اس کی علمیت ومعقولیت اسی قدر صفائی سے آشکارا ہوگی۔

لہذا نئے نئے مسائل کے شرعی وفقہی حل کی طرف توجہ دینا ایک اہم ترین اسلامی فریضہ ہے اور دینی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہر زمانے کے علماء نے نہ صرف یہ کہ اس کام کی اہمیت اور ذمہ داری محسوس کی بلکہ اس کو روبہ عمل لانے کی بھی بھرپور کوشش فرمائی۔ اور ان جدید مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے غور وفکر کرکے ان کا شرعی وفقہی حل پیش کیا۔ الحمد للہ اب تک جدید مسائل پر بہت بڑا ذخیرہ فقہی وشرعی نقطۂ نظر سے تیار ہوچکا ہے۔

زیر نظر رسالہ بھی اسی سلسلے کی ایک حقیر کڑی ہے، جس میں صرف ان مسائل

کو زیر بحث لایا گیا ہے جن کا تعلق رمضان المبارک سے ہے۔ مثلاً رؤیت ہلال، روزہ، تراویح، اعتکاف، صدقۂ فطر وفدیہ۔ ان ابواب سے متعلق جدید مسائل سے اس میں بحث کی گئی ہے۔

یہ رسالہ پہلی دفعہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا، اب دوبارہ نظر ثانی کے بعد اور متعدد مقامات کی توضیح اور متعدد مسائل کے اضافے کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، اس رسالہ میں میں نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ:

(۱) ہر مسئلہ میں قدیم فقہاء کے کلام سے کوئی صریح جزئیہ مل جائے یا اس مسئلہ کی نظیر مل جائے۔

(۲) دوسرے نمبر پر اکابر علماء جیسے حضرت تھانوی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کی علمی وفقہی تحقیقات سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔

(۳) جہاں کوئی واضح کلام ان حضرات کا نہ مل سکا، وہاں مستند فقہی نظائر سے مسئلہ کا استنباط کیا گیا ہے اور حتی الامکان احتیاط کے پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

(۴) بعض بعض مسائل میں معاصر علماء کی آراء سے اختلاف بھی کیا ہے اور اس کے دلائل بھی وضاحت سے پیش کر دیئے گئے ہیں، مگر چونکہ یہ اجتہادی مسائل ہیں، اس لئے کسی کو دوسری رائے صحیح معلوم ہو تو وہ بلاشبہ اپنی رائے پر عمل کر سکتا ہے اور اگر میری رائے کی غلطی واضح ہو جائے تو بندہ کو اپنی رائے پر اصرار بھی نہ ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مفید ومقبول بنائے اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

فقط

محمد شعیب اللہ عفی عنہ

تاریخ: ۵/ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ طبعہ ثالثہ

یہ اس رسالہ ''رمضان اور جدید مسائل'' کی تیسری اشاعت ہے، اس اشاعت میں بعض مسائل جدیدہ کا اضافہ کیا گیا ہے، جو وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہے، نیز بعض مسائل کے بارے میں پہلی رائے سے رجوع کرتے ہوئے دوسری رائے اختیار کی گئی ہے۔

مولانا یاسین صاحب استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور نے اس کے فقہی نصوص کو از سر نو دیکھ کر تصحیح بھی کی ہے اور مزید حوالجات سے مزین بھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

۱۲؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

مطابق ۷؍فروری ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رؤیت ہلال

اسلام میں رمضان المبارک کی ابتداء وانتہاء کو چونکہ رؤیت ہلال پر موقوف رکھا گیا ہے، اس لئے سب سے پہلے اسی کے متعلق مسائل کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ رؤیتِ ہلال کے جن مسائل کو یہاں زیر بحث لایا جائے گا، وہ دو قسم کے ہوں گے: ایک وہ جو نئے حالات کی وجہ سے رونما ہوئے ہیں۔ دوسرے وہ جن کو نئے آلات نے جنم دیا ہے۔

عید و رمضان کی وحدت کا اہتمام

ذرائع ابلاغ کی فراوانی اور خبر رسانی کی سہولت و آسانی نے عام لوگوں میں عموماً اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں خصوصاً اس بات کا رجحان پیدا کر دیا ہے کہ ساری دنیا میں عید و رمضان کے ایام میں وحدت ہو، کہ ایک ہی دن سب جگہ عید ہو اور رمضان کی ابتداء اور انتہاء میں بھی ہر جگہ توافق ہو۔ اور اگر ساری دنیا میں نہیں تو کم از کم ایک ملک کے تمام علاقوں اور شہروں میں یہ وحدت پائی جائے۔

اس خیال کے حامی لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں خبر رسانی کی جو سہولتیں جدید آلات کی متنوع قسموں نے پیدا کر دی ہیں، ان کے پیش نظر آج اس وحدت کا اہتمام کچھ مشکل نہیں؛ کیونکہ ایک ملک کے ایک کونے کی خبر دوسرے کونے میں بلکہ دنیا کے ایک کونے کی خبر دوسرے کونے میں بہت جلد اور بہ آسانی پہنچائی جا سکتی ہے۔

یہ خیال بجائے خود صحیح ہے اور خود اسلام میں بھی ایک گونہ وحدت واتحاد مطلوب

ہے، البتہ اس سلسلے میں دو باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

ایک تو یہ کہ کیا پوری دنیا میں ایک ہی دن عید ورمضان ہونے کا مسئلہ ممکن العمل بھی ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں؛ کیونکہ مشرق ومغرب کے مابین فاصلوں کی وجہ سے ایک جگہ جمعہ ہوتا ہے تو دوسری جگہ ابھی جمعرات کا دن ہوتا ہے اور تیسری جگہ ہفتہ کا دن شروع ہو چکا ہوتا ہے۔ ان حالات میں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہر جگہ رمضان وعید میں وحدت ہو؟ اس لئے بس اس حد تک وحدت کا اہتمام کیا جانا چاہئے جہاں تک کہ وحدت کا امکان ہو، اس سے زیادہ کاوش فضول اور بے کار ہے۔

دوسری بات یہ کہ اسلام میں عید ورمضان کے ایک ہی دن ہونے کی کچھ خاص اہمیت نہیں ہے کہ اسی کے پیچھے اپنی تمام کوششیں لگادی جائیں۔ اگر وحدت میسر آجائے تو ٹھیک، ورنہ اس میں رتی برابر کوئی قباحت نہیں کہ متعدد جگہوں پر متعدد ایام میں عید ورمضان ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگرچہ آج کل کی طرح خبر رسانی کی اتنی سہولتیں نہ تھیں اور اس وجہ سے پورے ملک کی خبروں کو جمع کرنا اور معلوم کرنا آسان نہ تھا، بلکہ ممکن بھی نہ تھا۔ مگر اس میں کیا شک ہے کہ مدینہ کی قریبی آبادیوں وبستیوں سے چاند کی خبر معلوم کرنا چنداں مشکل کام نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ نے کبھی اس کا اہتمام نہیں فرمایا۔ کیا یہ اس بات کی کھلی دلیل نہیں کہ اس کا اہتمام کچھ ضروری نہیں اور نہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔

حضرات صحابہ کے زمانے کا یہ واقعہ امام مسلم نے صحیح میں درج کیا ہے کہ حضرت کریب رضی اللہ عنہ کو حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے اپنے کسی کام سے شام روانہ کیا، وہاں حضرت کریب رضی اللہ عنہ نے رمضان کا چاند جمعہ کے دن دیکھا اور لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے روزہ بھی رکھا پھر رمضان کے آخر میں حضرت کریب رضی اللہ عنہ

مدینہ واپس آئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے چاند کے بارے میں پوچھا، انہوں نے عرض کیا کہ جمعہ کی شب میں دیکھا گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ نے بھی دیکھا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا اور روزہ رکھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تو ہفتہ کی رات چاند دیکھا ہے اس لیے ہم تو برابر روزہ رکھیں گے جب تک کہ تیس دن پورے نہ ہو جائیں یا ہم چاند دیکھ لیں۔ حضرت کریب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا آپ کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا چاند دیکھنا اور ان کا روزہ رکھنا کافی نہیں ہے؟ فرمایا کہ نہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔(۱)

اس واقعہ میں اگر چہ فقہی نقطۂ نظر سے کئی احتمالات ہیں کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے شام کی رؤیت کو اس لئے تسلیم نہ کیا ہو کہ مدینہ اور شام کے مطلع میں فرق ہے۔ یا اس لیے کہ شہادت دینے والے تنہا حضرت کریب رضی اللہ عنہ تھے اور ایک آدمی کی

(۱) عن كريب أن أم الفضل بنت الحارث بعثته إلى معاوية بالشام ـ قال: فقدمتُ الشام ، فقضيت حاجتها، واستهل علي رمضان ، وأنا بالشام ، فرأيت الهلال ليلة الجمعة ، ثم قدمتُ المدينة في آخر الشهر ، فسألني عبد الله بن عباس رضي الله عنه ، ثم ذكر الهلال ، فقال: متى رأيتم الهلال ؟ فقلت : رأيناه ليلة الجمعة ، فقال : أنت رأيته ؟ فقلت : نعم ، ورآه الناس ، وصاموا وصام معاوية ، فقال: لكنا رأيناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين ، أو نراه ، فقلت : أ و لا تكتفي برؤية معاوية وصيامه ؟ فقال : لا، هكذا أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ـ"

مسلم :۵۴۸،الرقم:۱۰۸۷،ترمذی:۲/ ۷۱،الرقم:۶۹۳، قال الترمذي : حديث ابن عباس حديث حسن صحیح غریب، ابوداود:۲۶۶،الرقم :۲۳۳۲،السنن الکبری للنسائی:۳/ ۹۷،الرقم:۲۴۳۲

گواہی عید کے چاند میں معتبر نہیں ہوتی مگر اس سے اتنا ضرور معلوم وثابت ہوتا ہے کہ حضراتِ صحابہ کے عہد میں عید کی وحدت کا اہتمام نہیں تھا۔ حالانکہ اہل مدینہ کے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ شام سے خبر یا شہادت حاصل کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں اس کی خاص اہمیت نہیں ہے۔

بعض حضرات یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس زمانے میں مختلف جگہوں کی خبروں کو معلوم کرنا ممکن نہ تھا اور اس کے لئے وسائل اور ذرائع موجود نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کا اہتمام نہ کیا، اس کا جواب حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

> ''اس عہد مبارک میں اگر ہوائی جہاز، ریڈیو اور ٹیلیفون نہ تھے تو تیز رفتار سانڈنیاں موجود تھیں، جو ایک رات دن میں دور تک کی خبریں بلکہ شہادتیں لا سکتی تھیں، مگر حکیم الحکماء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہ کیا کہ سانڈنی سوار دوڑا کر مکہ سے مدینہ یا رابغ کی خبریں بہم پہنچائیں، شام اور مصر فتح ہونے کے بعد کوئی مشکل نہ تھی کہ وہاں کی شہادتیں ہر وقت سانڈنی سواروں کے ذریعہ مدینہ طیبہ میں جمع کر لی جائیں مگر کہیں نظر سے نہیں گزرا کہ حضرات صحابہ نے اس کا اہتمام فرمایا ہو۔'' (۱)

حاصل یہ کہ رمضان وعید کی وحدت و یکسانیت کے لئے زیادہ کاوش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ یہ اس قدر اہتمام کی چیز ہے۔ ہاں غلو میں پڑے بغیر اس کا اس حد تک اہتمام کر لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ موجودہ وسائل شرعی

---

(۱) آلات جدیدہ کے شرعی احکام: ۱۷۴

حدود میں رہتے ہوئے اس کا ساتھ دے سکیں۔

دوسرے شہروں سے چاند کی خبر معلوم کرنا

اگر چاند نظر نہ آئے تو دوسرے شہروں سے چاند کی خبر معلوم کرنا کیا درجہ رکھتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ واجب اور ضروری نہیں ہے ؛ کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ نے دوسری بستیوں اور آبادیوں سے چاند کی خبر منگوانے اور معلوم کرنے کا کوئی اہتمام نہیں فرمایا، حالانکہ اس زمانے میں --جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا--ان کے مناسب حال ذرائع ووسائل موجود تھے۔ یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ دوسرے علاقوں اور شہروں سے چاند کی خبر معلوم کرنا ضروری وواجب نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته ، فان غُبِّيَ عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين۔(۱)

(چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو، پس اگر چاند تم پر پوشیدہ ہوجائے تو تیس دن پورے کرو)۔

اس حدیث میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ دوسری جگہوں سے چاند کی خبر حاصل کرنا ضروری نہیں ؛ کیونکہ اس میں چاند کے پوشیدہ و مستور رہ جانے کی صورت میں ہمیں تیس دن پورے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ اس صورت میں دوسری جگہوں سے تحقیق اور معلوم کرو۔ اگر یہ شرعاً واجب ہوتا تو ضرور

(۱) بخاری:۳/۲۵۳، الرقم:۱۹۰۹، واللفظ لہ، مسلم:۶/۵۴۶، الرقم:۱۰۸۱، السنن الکبری للنسائی: ۳/۱۰۰، الرقم:۲۴۳۹، دارمی:۱۰۴۹، الرقم:۱۶۲۷

اس کا حکم دیا جاتا۔

حکیم الامت فقیہ الملت مجدد اعظم مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ اسی سلسلے کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> ”چونکہ کوئی حکم بلا دلیل ثابت نہیں ہوتا اور اس کے (یعنی دوسری جگہ سے چاند کی خبر معلوم کرنے کے لئے) وجوب کی کوئی دلیل نہیں، لہذا یہ امر واجب نہیں“۔(۱)

راقم کہتا ہے کہ یہاں صرف یہ نہیں کہ دلیل ہی نہیں ہے بلکہ --اوپر کی وضاحت کے مطابق-- واجب نہ ہونے پر دلیل قائم ہے؛ لہذا یہ واجب نہیں ہے۔ البتہ یہ جائز ضرور ہے؛ کیونکہ ناجائز ہونے پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے؛ لہذا حدود میں رہتے ہوئے اس کی اجازت ہے۔

تحقیق رؤیت کے لئے آلات جدیدہ کا استعمال

رؤیت ہلال کی تحقیق کے لئے آلات جدیدہ جیسے ریڈیو(Radio) ٹیلی ویژن (Television)وائرلس (Wireless)اور ٹیلی فون (Telephone) وغیرہ کا استعمال کرنا جائز ہے؛ کیونکہ یہ اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمتیں ہیں، جو اللہ نے بندوں کے نفع کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ان سے کام لینا اور فائدہ اٹھانا برا نہیں بلکہ جذبات شکر کے ساتھ ان سے انتفاع کرنا پسندیدہ بات ہے۔

لیکن یہ لحاظ رہے کہ خدا کی ان نعمتوں کو خدا کی مخالفت و نافرمانی ،معصیت اور ناشکری میں استعمال نہ کیا جائے ؛لہذا تحقیق رؤیت ہلال کے لئے بھی آلات

(۱) امداد الفتاوی:۲/۹۹

جدیدہ سے ضرور فائدہ اٹھایا جائے مگر کسی شرعی ضابطے اور اصول کو توڑا نہ جائے۔ مثلاً رؤیت ہلال کی تحقیق میں ان آلات و وسائل سے حاصل ہونے والی وہ خبر تو قابل قبول ہوسکتی ہے جو رمضان کے چاند کے بارے میں ہو۔ اور جو خبر عید کے بارے میں ہو وہ معتبر نہ ہوگی؛ کیونکہ اس کے لئے شہادت ''گواہی'' ضروری ہے اور ان آلات کی خبر ''خبر'' تو ہے، ''شہادت'' نہیں ہے۔(۱)

لہذا اس پر اصرار کرنا کہ اس خبر کو یہاں بھی قبول کیا جائے، یہ شرعی اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے خدا کی نافرمانی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ان آلات کو کام میں لانا اور ان سے فائدہ اٹھانا اس وقت تک جائز ہے جب تک کہ شرعی و اسلامی اصول مجروح نہ ہوں۔

مگر یاد رہے کہ ان آلات کے ذریعہ رؤیت کی تحقیق کرنا شرعاً واجب و ضروری نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کے واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ اوپر معلوم ہو چکا کہ اللہ کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور صحابہ کرام نے اپنے زمانے کے وسائل و ذرائع سے بھی تحقیق رویت کا اہتمام نہیں فرمایا، حالانکہ اس وقت یہ ممکن تھا کہ سانڈنی سواروں کو دوڑا کر مدینہ کے قریب کی بستیوں اور آبادیوں سے رؤیت کی تحقیق کی جائے۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کے وسائل کو رؤیت کی تحقیق کے لئے استعمال میں لانا شرعاً ضروری نہیں ہے۔ صرف یہ جائز ہے جب کہ حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کیا جائے۔

رؤیت ہلال اور آلات جدیدہ

دور حاضر میں آلات جدیدہ کی بھرمار ہے، انہیں میں وہ آلات بھی ہیں جو دور کی

(۱) ان مسائل کی تحقیق و تفصیل آگے آرہی ہے

چیزوں کو قریب اور چھوٹی چیزوں کو بڑی بنا کر پیش کرتے ہیں۔ نیز فضا میں اڑ کر، ان اشیاء کا مشاہدہ ومعائنہ کرا دینے والے آلات بھی موجود ومروج ہو گئے ہیں جو نیچے سے قطعی طور پر نظر نہیں آسکتے۔ پھر ان میں تنوع بھی ہے جو بیان سے باہر ہے۔ یہ دیکھ کر یہ سوال پیدا ہونا قدرتی بات ہے کہ رؤیتِ ہلال میں ان چیزوں سے مدد لینا شرعاً کیا درجہ وحیثیت رکھتا ہے؟

یہ تو واضح ہے کہ رؤیتِ ہلال کیلئے ان جدید آلات (مثلا دور بین، خورد بین، ہوائی جہاز) کا استعمال واجب وضروری نہیں ہے۔ ضروری تو صرف اس قدر ہے کہ فطری اصول کے مطابق چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر نظر آجائے تو ٹھیک ورنہ مہینہ کو تیس دن کا تسلیم کر لیا جائے۔

چنانچہ حدیث میں واضح الفاظ میں ارشاد ہے:

فإن غُمّ عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين۔(۱)

(پس اگر چاند تم پر پوشیدہ ہو جائے تو تیس دن پورے کرو)۔

اس سے معلوم ہوا کہ چاند نظر نہ آئے تو ہم صرف اس بات کے مکلّف ہیں کہ تیس دن پورے کر لیں۔ پہاڑوں پر چڑھ کر، ہوائی جہاز پر اڑ کر، یا دور بین یا خورد بین کی مدد سے، چاند دیکھنے کے مکلّف نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ریاضی وفلکیات کے حسابات وعلوم سے چاند معلوم کرنے کے مکلّف ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث کو پیش کر کے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یعنی تمہاری آنکھیں اس کو نہ دیکھ سکیں تو پھر تم اس کے مکلّف

---

(۱) بخاری: ۲۵۳/۳، الرقم: ۱۹۰۹، واللفظ لہ، مسلم: ۵۴۶/۶، الرقم: ۱۰۸۱، السنن الکبری للنسائی: ۱۰۰/۳، الرقم: ۲۴۳۹، دارمی: ۱۰۴۹، الرقم: ۱۷۲۷

نہیں کہ ریاضی کے حسابات سے چاند کا وجود اور پیدائش معلوم کرو اور اس پر عمل کرو، یا آلاتِ رصدیہ اور دوربینوں کے ذریعہ اس کا وجود دیکھو، بلکہ فرمایا: ”فإن غم علیکم فأکملوا العدۃ ثلاثین“ یعنی اگر تم پر مستور ہوجائے تو تیس دن پورے کر کے مہینہ ختم سمجھو۔“(۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

”بل ظاهر السياق يشعر بنفي تعليق الحكم بالحساب أصلاً، و يوضحه قوله في الحديث الماضي: ”فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين “ولم يقل فاسئلوا أهل الحساب۔“(۲)

(حدیث (جس میں ہے کہ ہم امی امت ہیں) اس کا ظاہر سیاق (چاند کے) حکم کے حساب پر معلق ہونے کی بالکلیہ نفی کرتا ہے اور اس کی توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کرتا ہے: ”اگر تم پر چاند مستور ہو جائے، تو تیس دن پورے کرلو“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: اہل حساب سے پوچھو)۔

معلوم ہوا کہ رؤیت ہلال کے لئے جدید آلات اور ریاضی کے حسابات سے مدد لینا شرعاً ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کوئی پسندیدہ و مستحب بات بھی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ -- بشرطیکہ حدود شرعیہ سے آگے نہ بڑھا جائے -- مباح و جائز ہے۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ زمانۂ رسالت و دور صحابہ میں جدید آلات اور ریاضی کے حسابات کا سلسلہ نہ تھا کہ اس سے مدد لی جاتی اور آج یہ سب چیزیں فراوانی و ترقی

(۱) رؤیت ہلال: ۱۲
(۲) فتح الباری: ۴/۱۶۳

کے ساتھ موجود ہیں ؛ لہذا ان سے مدد لینا چاہئے ؛ کیونکہ ریاضی کے فنون عہد رسالت وصحابہ میں بلکہ اس سے بہت پہلے دنیا میں رائج تھے اور اس وقت مختلف مقامات پر بڑی بڑی رصدگاہیں بھی قائم تھیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے:

> ”علم ریاضی (ASTRONOMY) بہت قدیم ترین زمانوں سے -- اس کے شوقین لوگوں کے ذریعے، جو اپنے فارغ اوقات اور اپنی دولت کو اس میں لگاتے ہیں اور ان ماہرین کے ذریعے جوان یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں میں کام کرتے ہیں جو حکومتوں کی طرف سے چلائے جاتے ہیں یا ذاتی طور پر چلائے جاتے ہیں -- چلا آرہا ہے۔ حکومتی سطح کی روایت بھی بہت قدیم زمانے سے قائم ہے۔ جبکہ مذہبی رہنما اور دوسرے اعلی درجہ کے سرکاری ملازم پہلے ہی سے علم ریاضی میں مشغول تھے تاکہ موسم اور کیلنڈر مقرر کیا جائے اور ستاروں کے فال کا مطالعہ کریں“۔(۱)

جارج سارٹن نے مقدمہ تاریخ سائنس میں لکھا ہے:

> ”بابلی فلکیات کا زمانہ بڑا قدیم ہے اور قیاس یہ ہے کہ مغرب نے فلکیات کا علم اسی سرچشمہ سے حاصل کیا ہے -- آگے لکھتا ہے -- ہفتے کے سات دن، دن میں بارہ بارہ گھنٹوں کے دو دور، زاویہ کی شصت گانہ تقسیم، بابل کے علماء ہیئت نے بحوالہ آفتاب سیارہ زہرہ کے طلوع وغروب کا حساب، ولادت مسیح سے بھی تین ہزار سال پہلے

---

(۱) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: ۲/۳۴۶۔ مقالہ ، ASTRONOMY

کرلیا تھا‘‘۔(۱)

انسائیکلو پیڈیا سے معلوم ہوا کہ ریاضی کے فنون دنیا میں قدیم ترین زمانوں سے رائج و عام ہیں اور جارج سارٹن کی شہادت سے معلوم ہوا کہ تین ہزار برس قبلِ مسیح ہی سے بابل میں ان فنون کو فروغ حاصل ہو چکا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد کے ادوار کے لحاظ سے اس وقت یہ فنون محض ابتدائی شکل میں تھے۔ مگر اتنا تو یقینی ہے کہ زمانۂ رسالت و صحابہ تک اس میں بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی اور رصدگاہوں کا قیام بھی اس وقت تک عمل میں آچکا تھا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

”دنیا کی تاریخ پر نظر رکھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ ریاضی کے یہ فنون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے بہت پہلے دنیا میں رائج تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مصر و شام اور ہندوستان میں رصدگاہیں قائم تھیں‘‘۔(۲)

رہی آلاتِ جدیدہ کی بات تو اس کا جواب بھی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

عہدِ رسالت میں مانا کہ ہوائی جہاز نہ تھے مگر مدینے میں سلع پہاڑ سامنے کھڑا ہے اس کے اوپر کچھ آبادی بھی ہے۔ جبلِ احد بھی ساتھ لگا ہوا ہے۔ مکہ معظّمہ تو سب طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے، صفا اور مروہ کی پہاڑیاں اور جبلِ ابی قبیس بالکل شہر

---

(۱) مقدمۂ تاریخ سائنس مترجم: ۱/ ۱۵۵

(۲) رؤیتِ ہلال: ۱۵

سے لگے ہوئے ہیں لیکن عہدِ رسالت میں پھر خلافتِ راشدہ اور قرونِ خیر میں کہیں نظر سے نہیں گزرا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یا صحابہ نے اتنا اہتمام فرمایا ہو کہ لوگوں کو ان پہاڑوں کے کسی اونچے مقام پر چڑھ کر چاند دیکھنے کیلئے بھیجا ہو"۔(۱)

حاصل یہ کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور حضراتِ صحابہ کرام نے رؤیتِ ہلال کے لئے جو سادہ اور فطری اصول اپنایا تھا وہی پسندیدہ ہے؛ لہٰذا آلاتِ جدیدہ اور فنونِ ریاضیہ سے اس میں مدد لینا واجب ہے نہ مستحب ہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ صرف "جائز" ہے، بشرطیکہ وہ اسلامی اصول وضابطوں کو مجروح نہ کرتے ہوں، اگر ان سے اسلامی اصول وضوابط کی خلاف ورزی لازم آتی ہو تو ان سے مدد لینا جائز بھی نہ ہوگا۔ (ان اصول وضوابط کا تذکرہ آئندہ صفحات میں اپنے اپنے موقع پر آئے گا)۔

ممکن ہے کہ ان حضرات کو جو تجدد پسند واقع ہوئے ہیں اور ان جدید آلات کو زمانے کی ضرورت بلکہ اہم ضرورت خیال کرتے ہیں، یہ بات کھٹکے کہ اسلام رؤیتِ ہلال کیلئے ان آلات وفنون سے مدد لینے کو پسند نہیں کرتا۔ مگر جو حضرات بصارتِ ظاہری کے ساتھ بصیرتِ باطنی سے بھی سرفراز ہیں وہ یہ بات بخوبی جانتے وسمجھتے ہیں کہ اسلام کا یہ طرزِ عمل بڑی حکمت پر مبنی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے جو وطنی، لسانی اور جغرافیائی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر پورے عالم اور عالم کے ہر فرد کے لئے آیا ہے۔ اور اس کے احکام کے مکلّف صرف وہ لوگ نہیں ہیں جو ریاضی کے فنون سے واقف اور آلاتِ جدیدہ سے بہرہ مند ہیں اور نہ صرف وہ لوگ جو شہروں کی پر تکلف

---

(۱) آلاتِ جدیدہ: ۱۷۴

زندگی بسر کرنے والے اور ترقی یافتہ علاقوں میں سکونت پذیر ہیں، بلکہ ان فنون سے یکسر ناواقف اور آلات جدیدہ سے کلیۃً بے بہرہ لوگ اور معمولی، چھوٹے چھوٹے دیہات وقریوں میں اور پہاڑوں اور دورافتادہ جزیروں میں بسنے والے بے شمار لوگ بھی ہیں۔ اگر آلات جدیدہ وفنون ریاضیہ سے رویت ہلال میں مدد لینا ضروری یا پسندیدہ ومستحب قرار دیا جاتا تو ظاہر ہے کہ اس حکم کی تعمیل آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی سب کے لئے ممکن نہ تھی، غریب اور پسماندہ طبقات کے لوگ یا تو ترک واجب کے مرتکب ہوتے یا فضیلت سے محروم رہ جاتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی عبادات واعمال کی انجام دہی میں بھی غریب لوگ امیروں سے پیچھے رہ جاتے۔ ظاہر ہے کہ غریب وامیر کا یہ فرق اسلامی روح کے سراسر خلاف ہے۔ اس لئے اسلام نے عبادات کے لئے سادہ اور فطری اصول مقرر فرمائے ہیں تاکہ ہر قسم کے لوگ بہ آسانی ان کو اختیار کر کے فرض ادا کرسکیں۔ البتہ جن کو یہ آلات میسر ہوں یا جو اِن فنون سے بہرہ یاب ہوں وہ اگر اِن فنون وآلات کو کام میں لائیں تو -- اس شرط کے ساتھ کہ اسلامی اصول مجروح نہ ہوں -- ان کو اجازت دی جائے گی۔

غور کیجئے کہ یہ بات کیا اسلام کے محاسن میں شمار کرنے کے قابل نہیں؟ مگر افسوس کہ آج کا جدت پسند طبقہ اسلام کی اس فطری سادگی اور سہولت پسندی کو اسلام کے محاسن میں شمار کرنے کو تیار نہیں ہے۔

اختلافِ مطالع کا مسئلہ

قدیم زمانے سے یہ مسئلہ فقہاء کرام کے مابین زیر بحث رہا ہے کہ چاند کے مطالع کا اختلاف (کسی جگہ چاند کسی دن نظر آئے اور دوسری جگہ دوسرے دن) احکام میں موثر ومعتبر ہے یا نہیں؟

مثلاً مغربی علاقوں میں چاند نظر آ گیا جبکہ ابھی مشرقی علاقوں میں نظر نہیں آیا تو کیا اس اختلاف کا اعتبار کر کے یہ کہا جائے گا کہ جہاں نظر آ گیا وہاں کے لوگ روزہ رکھ لیں یا عید کر لیں اور جہاں نظر نہیں آیا وہاں کے لوگ روزہ نہ رکھیں اور عید نہ کریں؛ یا اس اختلاف کا اعتبار نہ کر کے یہ حکم کیا جائیگا کہ اس رویت ہلال کی خبر دنیا کے کسی بھی خطے اور علاقے میں پہنچے، وہاں کے لوگوں پر روزہ رکھنا یا عید کرنا لازم ہوگا؟

مگر یہ بات یہاں ذہن نشیں کر لینی چاہئے کہ اس اختلاف کا منشاء یہ نہیں ہے کہ چاند کے مطالع میں اختلاف ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ نہیں، بلکہ مطالع میں اختلاف کا ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کو سبھی فقہاء و علماء مانتے ہیں؛ کیونکہ یہ ایک واقعاتی چیز ہے۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ اس اختلافِ مطالع کے موثر و معتبر ہونے میں ہے کہ بعض معتبر مانتے ہیں اور بعض غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

> جاننا چاہئے کہ اختلافِ مطالع میں بجائے خود کوئی نزاع و اختلاف نہیں ہے اس معنی کر کہ کبھی دو شہروں میں اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک میں فلاں رات چاند طلوع ہو جاتا ہے، دوسرے میں نہیں -- آگے چل کر فرمایا -- بس اختلاف تو اس اختلاف مطالع کے اعتبار میں ہے کہ کیا ہر قوم پر اپنے مطلع کا اعتبار کرنا واجب ہے اور دوسرے مطلع کے مطابق ان پر عمل لازم نہیں ہے یا اس اختلاف کا اعتبا نہیں ہے بلکہ جو پہلے دیکھا گیا، اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ حتی کہ اگر مشرق میں جمعہ کی رات چاند دیکھا گیا اور مغرب میں ہفتہ کی رات، تو مغربی لوگوں پر

مشرقی لوگوں کی رویت پر عمل کرنا واجب ہوگا؟(۱)

اس سے واضح ہوا کہ مطالع میں فی نفسہ اختلاف کا ہونا، فقہاء کرام کے نزدیک مسلم ہے۔اختلاف اس کے معتبر ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔ پھر علامہ شامیؒ کے مطابق اختلاف مطالع کے معتبر ہونے میں جو اختلاف ہے، وہ صرف روزہ کے بارے میں ہے۔ باقی امور جیسے حج وقربانی وغیرہ کے متعلق اس اختلاف کا سبھی نے اعتبار کیا ہے۔(۲)

---

(۱) ردالمحتار:۳/۳۶۳

(۲) یہ بات علامہ شامی رحمہ اللہ نے علماء کے کلام سے اخذ واستنباط کر کے بیان کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: " يفهم من كلامهم في كتاب الحج أن اختلاف المطالع فيه معتبر، فلا يلزمهم شيء لو ظهر أنه رئي في بلدة أخرى قبلهم بيوم ، وهل يقال كذالك في حق الأضحية لغير الحجاج ؟ لم أره ، والظاهر نعم ، لأن اختلاف المطالع إنما لم يعتبر في الصوم لتعلقه بمطلق الرؤية ـ(ردالمحتار:۳/۳۶۴)

مگر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ''امدادالفتاوی''اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ''اعلاء السنن'' میں اس سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''علامہ شامی نے ہرچندکہ بناء عدم قبول شہادت کے اعتبار اختلاف مطالع پر ٹھہرائی ہے ،مگر اس کو کسی نے صراحۃً نقل نہیں فرمایا، بلکہ يفهم من كلامهم کہا، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے کلام سے یہ اعتبار مستخرج ہوتا ہے، تو اصل حنفیہ کے نزدیک کل جگہوں میں عدم اعتبار اختلاف مطالع ٹھیرا، كما هو ظاهر من إطلاقاتهم۔ اور استنباط علامہ شامی کا مسئلہ اضحیہ میں اسی بنا پر ہے کہ انہوں نے عدم قبول شہادت کو بعض مسائل حج میں مبنی بر اختلاف مطالع ٹھیرایا، حالانکہ عند التامل یہ امر غیر صحیح ہے، بلکہ اس عدم قبول کی وہی حرج ہے، پس جب بنا ہی صحیح نہیں تو مبنی کیونکر صحیح ہوسکتا ہے،.................

غرض یہ کہ فقہاء کرام کے مابین اختلافِ مطالع کے مسئلہ میں جو بحث ہوئی ہے وہ اختلافِ مطالع کے وجود کے بارے میں نہیں ہے جیسا کہ بعض حقیقت سے ناواقف لوگ گمان کرتے ہیں۔ بلکہ اختلاف اور بحث اس کے معتبر ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔

فقہاء کے اس میں تین مسلک ہیں:

۱- ایک یہ کہ اختلاف مطالع کا مطلقاً کوئی اعتبار نہیں۔ کتب فقہ حنفیہ میں اس کو ظاہر الروایہ بتایا گیا ہے۔(۱)

......................خصوصاً جبکہ کتب مذہب کے خلاف ہو۔" (امداد الفتاوی:۲/۱۰۸)

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ رقم فرماتے ہیں:

واعلم أن عدم اعتبار اختلاف المطالع الظاهر أنه عام لجميع الأهلة ، وفرق العلامة الشامي بين هلال رمضان وهلال ذي الحجة استناداً بما قالوا في الحج ، واستدلالا بتعلق صوم رمضان بمطلق الرؤية في قوله عليه السلام :"صوموا لرؤيته و أفطرو ا لرؤيته "هذا بخلاف الأضحية لا يصح ، واستناده بما قالوا في الحج ساقط ؛ لأن مبناه دفع الحرج بعد وقوع الحج لا اعتبار اختلاف المطالع ، فإن تحققت شهادة قبل الحج تقبل " ۔(اعلاء السنن:۹/۱۲۰)

(۱) **وفي البحر**:" ولا عبرة باختلاف المطالع...... وقيل يعتبر ...... والأول ظاهر الرواية ، وهو الأحوط۔ كذا في فتح القدير، وظاهر المذهب ، و عليه الفتوى ، كذا في الخلاصة "۔ (البحر الرائق:۲/۴۷۱)

وفي الدر: " واختلاف المطالع غير معتبر على [ظاهر] المذهب"۔
(درمختار مع شامیؒ،۳/۳۶۳)

وفي النور : "و إذا ثبت في مطلع قطر لزم سائر الناس في ظاهر المذهب وعليه الفتوى"۔ (نور الایضاح مع المراقی:۲۳۷)

نیز حنابلہ(۱) و مالکیہ بھی اسی طرف گئے ہیں(۲)۔

(۱) **وفي الكشف** :"و إذا ثبتت رؤية الهلال بمكان قريباً كان أو بعيداً ، لزم الناس كلهم الصوم ، وحكم من لم يره حكم من رآه "۔
(کشف القناع:۲/۱۲۷)

وفي المبدع:"وإن رأى الهلالَ أهل بلد ، لزم الناس كلهم الصوم [وظاهره لا فرق بين قرب المكان أو بعده]"۔ (المبدع شرح المقنع :۳/۷)

وفي الكافي: " وإذا رأى الهلال أهل بلد ، لزم الناس كلهم الصوم "۔
(الکافی:۲/۲۳۰)

وفي المحرر :"ورؤية بعض البلاد رؤية لجميعها"۔
(المحرر فی الفقہ :۱/۲۲۸)

(۲)**وفي الكافي** :"و إذا رإي الهلال في مدينة أو بلد ، رؤية ظاهرة ،أو ثبتت رؤيته بشهادة قاطعة ، ثم نقل ذلك عنهم إلى غيرهم بشهادة شاهدين ، لزمهم الصوم ولم يجز لهم الفطر "۔(الکافی فی فقہ اھل المدینہ:۱۲۰)

وفي الشرح الصغير: "[وعم] الصوم سائر البلاد والأقطار ولو بعدت [إن نقل عن المستفيضة أو]عن [العدلين بهما] "۔(الشرح الصغیر:۱/۶۸۴)

وفى الشرح الكبير: "[وعم]الصوم سائر البلاد قريباً أو بعيداً ولا يراعى في ذلك مسافة قصر، ولا اتفاق المطالع و لا عدمها؛ فيجب الصوم على كل منقول إليه [إن نقل بهما عنهما]"۔ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر:۱/۵۱۰)

وفى العقد:وإذا رإي الهلال في بلد لزم غيرهم الصوم بذلك۔
(عقد الجواہر الثمینہ :۱/۳۵۶)

۲- دوسرا یہ کہ اختلافِ مطالع کا ہر حال میں اعتبار کیا جائے؛ لہٰذا ہر شہر والے اپنے مطلع اور رویت کے مطابق عمل کریں گے۔ ابن حجر عسقلانی نے بتایا کہ یہ قول حضرت عکرمہ، حضرت قاسم، حضرت سالم، وحضرت اسحاق سے مروی ہے۔ (۱)

۳- تیسرا یہ کہ بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے گا اور بلادِ قریبہ میں نہیں کیا جائے گا۔ اسی مسلک کو اکثر فقہاءِ مذاہب نے ترجیح دی ہے اور خود حنفی فقہاء نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی نے یہ مسلک علامہ طحطاوی، صاحب تجرید القدوری، صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ، صاحبِ ہدایہ، علامہ زیلعی وغیرہ فقہاء احناف سے نقل کیا ہے۔ اور خود علامہ عبدالحی فرماتے ہیں:

> واصح المذاہب عقلاً ونقلاً ہمیں است کہ ہر دو بلدہ کہ فیما بین آنہا "مسافتے باشد کہ دراں اختلافِ مطالع می شود وتقدیر مسافت یک ماہ است، دریں صورت حکمِ رؤیت یک بلدہ ببلدہ دیگر نخواہد شد، ودر بلادِ متقاربہ کہ مسافت کم از یک ماہ داشتہ باشد حکمِ رؤیت یک بلدہ ببلدۂ دیگر خواہد شد۔" (۲)

(عقلاً ونقلاً سب سے زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ جن دو شہروں میں اتنی مسافت ہو کہ اس میں مطلع بدل جاتا ہو جس کا اندازہ یک ماہ کی مسافت ہے، ان میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے معتبر نہ ہوگی اور قریبی شہروں میں جن کے درمیان ایک ماہ سے کم کی مسافت ہو، ایک شہر کی رؤیت کا حکم دوسرے شہر کے لیے ہوگا)

---

(۱) **قال ابن حجر**: لأهل كل بلد رؤيتهم........ وحكاه ابن المنذرعن عكرمة والقاسم وسالم وإسحاق۔ فتح الباری: ۴/ ۱۵۸

(۲) **مجموعۃ الفتاویٰ**: ۲/ ۱۳۴۔ ۱۳۵

نیز علامہ انور شاہ کشمیریؒ بھی اسی کے قائل ہیں جیسا کہ علامہ یوسف بنوریؒ نے شرح ترمذی میں نقل کیا ہے اور وہ خود بھی اسی کے قائل ہیں۔(۱)

نیز علامہ شبیر احمد عثمانی نے ''فتح الملہم'' میں اس کو اصح وراجح قرار دیا ہے۔(۲)

اور علامہ مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے۔ وہ اپنے رسالہ ''رؤیتِ ہلال'' میں فرماتے ہیں:

> ''آج تو ہوائی جہازوں نے ساری دنیا کے مشرق ومغرب کو ایک کر ڈالا ہے۔ ایک جگہ کی شہادت دوسری جگہ پہنچنا قضیہ (مشکل مسئلہ) نہیں بلکہ روزمرہ کا واقعہ بن گیا ہے اور اس کے نتیجے میں اگر مشرق کی شہادت مغرب میں اور مغرب کی مشرق میں حجت مانی جائے تو کسی جگہ مہینہ اٹھائیس دن کا، کسی جگہ اکتیس دن کا ہونا لازم آجائے گا اس لئے ایسے بلادِ بعیدہ میں جہاں مہینہ کے دنوں میں کمی بیشی کا امکان ہو، اختلافِ مطالع کا اعتبار کرنا ہی ناگزیر اور مسلکِ حنفیہ کے عین مطابق ہوگا۔''(۳)

مجلس تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنو کے اجلاس منعقدہ ۳،۴ مئی ۱۹۶۷ء کی تجویز وفیصلہ جس پر مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اور مختلف اداروں کے نمائندوں نے اتفاق کیا تھا اس میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ:

> ''نفس الامر میں پوری دنیا کا مطلع ایک نہیں ہے بلکہ

---

(۱) راجع معارف السنن: ۵/ ۳۳۷

(۲) فتح الملہم: ۳/ ۱۱۳

(۳) رؤیت ہلال: ۴۷

اختلافِ مطالع مسلم ہے، یہ ایک واقعاتی چیز ہے۔اس میں فقہائے کرام کا کوئی اختلاف نہیں، البتہ فقہاء اس بات میں مختلف ہیں کہ صوم و افطارِ صوم کے باب میں یہ اختلافِ مطلع معتبر ہے یا نہیں؟ محققینِ احناف اور علمائے امت کی تصریحات اور انکے دلائل کی روشنی میں مجلس کی متفقہ رائے ہے کہ بلادِ بعیدہ میں اس باب میں بھی اختلافِ مطلع معتبر ہے"۔(۱)

اس تفصیل سے یہ بات نہایت وضاحت سے سامنے آ گئی کہ جمہور علماء احناف بھی، خصوصاً اس آخری دور میں اسی کے قائل ہیں کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔

اور علامہ یوسف بنوریؒ نے اس جگہ ایک لطیف بات فرمائی ہے جس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ائمہ مذاہب کا قول بھی اختلافِ مطالع کے اعتبار ہی کا ہے۔علامہ موصوفؒ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"ائمہ کرام سے تو صرف اختلافِ مطالع کے عدمِ اعتبار کا ایک اجمالی قول بغیر کسی تفصیل اور بغیر قرب و بعد کی تفریق کے مطلقاً منقول ہے۔اور اس کا منشا یہ ہے کہ اس زمانے کے نظامِ مواصلات اور قطعِ مسافت کے نظامِ معہود کے لحاظ سے ایک ماہ کے اندر اندر اتنی دور کی مسافت کا طے کرنا جس سے کہ چاند کا مطلع مختلف ہو جائے، ممکن نہ تھا۔یہ بات ناممکن تھی کہ کوئی شخص چاند دیکھے پھر ایک ماہ سے پہلے ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں کا مطلع

(۱) بحوالہ رؤیتِ ہلال از مولانا محمد میاں صاحب:۱۰۴

پہلی جگہ کے مطلع سے مختلف ہو۔اس لئے اگر کوئی خبر پہلے پہنچ گئی تو یہ سمجھا جاتا کہ مطلع ایک ہے؛ لہٰذا شرعاً اس رؤیت کے اعتبار کو لازم قرار دیا گیا اور اختلافِ مطلع کے عدمِ اعتبار کا قول اسی جہت سے آیا ہے۔ پھر لوگوں نے اس قول کو وسعت دی اور ہر مطلع کے لئے عام کر دیا۔ مگر یہ میرے نزدیک مناسب نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ اس زمانے کے احوال وظروف اور ان کے اغراض ومقاصد کی بھی رعایت کی جائے‘‘(۱)

غرض یہ کہ بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا معتبر ہونا ہی قرینِ قیاس اور اکثر علماء کا اختیار کردہ قول ومذہب ہے۔

اب رہا یہ سوال یہ کہ شہروں میں قرب و بعد کا معیار کیا ہے؟ بالفاظِ دیگر کن شہروں اور علاقوں کو ہم متحد المطلع اور کن کو مختلف المطلع قرار دیں؟ تو اس سلسلے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض فقہاء کرام نے ایک ماہ کی مسافت کو معیار قرار دیا ہے کہ جن دو شہروں کے مابین اتنی مسافت ہو جو ایک ماہ میں طے کی

---

(۱) معارف السنن: ۵/ ۳۳۸-۵/ ۳۳۹، اس تحریر کے بعد علامہ ابنِ تیمیہؒ کی ایک تحریر ان کے فتاویٰ میں نظر سے گزری جو علامہ بنوری کی بات کی تائید کرتی ہے ۔لہٰذا اس کو نقل کرتا ہوں ۔وھي ھذہ: فالضابط أن مدار ھذالأمر(أي قضاء الصوم) علی البلوغ لقولہِ” صوموا لرؤیتہ “ فمن بلغ أنہ رأی ثبت في حقہ من غیر تحدید بمسافة أصلاً وھذا یطابق ما ذکرہ ابن عبدالبر، في طرفي المعمورة لایبلغ الخبر فیھما إلا بعد شھر فلا فائدة فیہ ،بخلاف الأماکن الذي یصل الخبر فیھا قبل انسلاخ الشھر، فإنھا محل الاعتبار۔ (مجموعة الفتاویٰ: ۲۵/ ۱۰۷)

جاسکے گی تو یہ شہر و علاقے مختلف المطلع ہوں گے اور جن کے درمیان اس سے کم مسافت ہو وہ متحد المطلع ہوں گے۔

علامہ شامی نے بحوالہ جواہر، اس کو علامہ قہستانی سے نقل کیا ہے اور علامہ تاج تبریزیؒ سے نقل کیا کہ ۲۴/ فرسخ سے کم میں مطلع کا اختلاف ممکن نہیں ہے۔(۱)

محولہ بالا مجلس تحقیقات شرعیہ کی تجویز میں لکھا گیا ہے:

''بلادِ بعیدہ سے مراد یہ ہے کہ ان میں باہم اس قدر دوری واقع ہو کہ عادتاً ان کی رؤیت میں ایک دن کا فرق ہوتا ایک شہر میں ایک دن پہلے چاند نظر آتا ہے اور دوسرے میں ایک دن بعد، ان بلاد میں اگر ایک کی رؤیت دوسرے کے لئے لازم کردی جائے تو مہینہ کسی جگہ ۲۸ دن کا رہ جائے گا اور کسی جگہ ۳۰ دن کا قرار پائیگا''۔(۲)

یہ رائے نہایت متوازن ہونے کے ساتھ سہل العمل بھی ہے؛ لہٰذا اسی پر عمل در آمد کرنا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے۔ باقی اس سلسلے میں فلکیاتی تحقیقات سے بھی مدد لی جاسکتی ہے اور مطلع کی حدیں اس کے ذریعہ مقرر کی جاسکتی ہیں۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ ہندوستان و پاکستان کا مطلع ایک ہے۔ اس طرح بعض قریبی ممالک جیسے بنگلہ دیش اور نیپال کا مطلع بھی وہی ہے جو ہندوستان اور پاکستان کا مطلع ہے؛ لہٰذا ان میں سے ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ معتبر ہوگی جبکہ وہ بطریق موجب دوسری جگہ پہنچ جائے اور عرب ممالک کا مطلع ہندوستان کے

---

(۱) **فقال الشامي**: وقدر البعد الذي تختلف فيه المطالع مسيرة شهر فأكثر على ما في القهستاني عن الجواهر۔(شامی:۳/۳۶۳)

(۲) رؤیت ہلال از مولانا میاں صاحبؒ:۱۰۴

مطلع سے الگ ہے؛ لہٰذا وہاں کی رویت کا یہاں، یا یہاں کی رویت کا وہاں اعتبار نہ ہوگا۔ چنانچہ مجلس تحقیقاتِ شرعیہ کی محولہ بالا تجویز میں باتفاق لکھا گیا ہے:

> ''ہندوستان و پاکستان کے بیشتر حصوں اور بعض قریبی ملکوں مثلاً نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے۔ علماء ہندو پاک کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے۔ اور غالباً تجربہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ ان ملکوں کے شہروں میں اس قدر بُعد مسافت نہیں ہے کہ مہینہ میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو اس بنیاد پر ان دونوں ملکوں میں جہاں بھی چاند دیکھا جائے، شرعی ثبوت کے بعد اس کا ماننا ان دونوں ملکوں کے تمام اہل شہر پر لازم ہوگا۔ مصر و حجاز جیسے دور دراز ملکوں کا مطلع ہندو پاک کے مطلع سے علیحدہ ہے۔ یہاں کی رؤیت ان ملکوں کے لئے اور ان ملکوں کی رؤیت یہاں والوں کے لئے ہر حالت میں لازم و قابلِ قبول نہیں ہے، اس لئے کہ ان میں اور ہندو پاک میں اتنی دوری ہے کہ عموماً ایک دن کا فرق ان میں واقع ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ۔''(۱)

رہا یہ سوال کہ اگر ان علاقوں میں سے کسی جگہ ۲۹/تاریخ کو رؤیت ہو جائے اور وہاں اس کا اعلان بھی کر دیا جائے تو دوسرے علاقوں کے لوگ اس کے مطابق عمل کر سکتے ہیں یا اپنے قاضی یا جہاں قاضی نہ ہو، وہاں رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کریں؟ اور یہ کہ کیا دوسرے علاقوں کے قاضی یا رؤیت ہلال کمیٹی اس اعلان کی پابند ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں ہیں:

---

(۱) رؤیتِ ہلال از مولانا میاں صاحب: ۱۰۴-۱۰۵

(۱) رمضان کا چاند ۲۹/تاریخ کو دیکھا جائے اور اس کا اعلان کیا جائے تو اس صورت میں دوسرے علاقہ کے اہل اسلام تک اس کی خبر بطریق موجب پہنچے تو ان کے لئے درست ہے کہ اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے وہ روزہ رکھیں؛ کیوں کہ رمضان کے لئے حسب تصریحات فقہ قابل اعتماد خبر کافی ہے۔

(۲) عید کا چاند ۲۹/تاریخ کو دیکھ کر اس کا اعلان کیا گیا ہو تو اس صورت میں دوسرے علاقوں کے مسلمان محض خبر پر اعتماد نہیں کر سکتے، بلکہ فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہے کہ عید کے چاند میں باقاعدہ شہادت شرعیہ کا ہونا ضروری ہے، لہذا مقامی قاضی اور قاضی نہ ہونے کی صورت میں کوئی عالم ثقہ یا معتمد کمیٹی کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ شہادت حاصل کر کے فیصلہ کرے اور مسلمانوں کے ذمہ ہوگا کہ ان کا انتظار کریں۔(۱)

---

(۱) البحر الرائق میں ہے:"وقبل بعلة خبر عدل ، ولو قنا أو أنثى لرمضان ، وحرين أو حر و حرتين للفطر، لأن صوم رمضان أمر ديني ، فأ شبه رواية الأخبار، ولهذا لا يختص بلفظ الشهادة -إلى أن قال - وأما هلال الفطر فلأنه تعلق به نفع العباد وهو الفطر ، فأشبه سائر حقوقهم ، فيشترط فيه ما يشترط في سائر حقوقهم من العدالة والحرية والعدد وعدم الحد في قذف ولفظ الشهادة والدعوى ،الخ۔"(بحر:۲/۲۶۶-۲۶۷)

اور درمختار میں ہے:"وقبل بلا دعوى وبلا لفظ "أشهد" وبلا حكم ومجلس قضاء ؛ لأنه خبر لا شهادة للصوم مع علة كغيم وغبار، خبر عدل أو مستور-ولو كان العدل قنا أو أنثى أو محدودا في قذف تاب- وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ "أشهد" الخ۔"

(شامی:۲/۳۸۵-۳۸۶)

اس سے معلوم ہوا کہ رمضان کے چاند کی صورت میں خبر صادق کے پہنچنے پر اس کے مطابق عمل جائز ہے مگر عید کے لئے شہادت کے ضروری ہونے کی وجہ سے صرف کسی خبر پر افطار درست نہیں، لہذا قاضی کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہئے۔

جہاں قاضی ہو وہاں کا حکم تو صاف ہے کہ فیصلہ کے لئے قضاء کا انتظار ضروری ہے، البتہ جہاں قاضی نہ ہو جیسے ہندوستان کے اکثر شہروں کا حال ہے تو اس سلسلے میں صاحب بحر و درمختار دونوں نے تصریح کی ہے کہ ایسے علاقوں میں ضرورت کی وجہ شہادت شرعیہ ساقط ہو جائے گی اور صرف دو ثقہ معتبر آدمیوں کی خبر پر افطار کیا جا سکتا ہے۔(۱)

اور علامہ بنوری نے اسی پر یہ فرمایا ہے کہ جہاں شرعی قاضی نہیں ہے وہاں شہادت شرعیہ گزارنا نہیں چاہئے بلکہ عید میں صرف دو عادل آدمیوں کی خبر پر عید کرنا چاہئے۔(۲)

---

(۱) علامہ حصکفی کہتے ہیں: "ولو كان ببلدة لاحاكم فيها صاموا بقول ثقة و أفطروا بإخبار عدلين مع العلة للضرورة -قوله : لا حاكم فيها : أي لا قاضي و لا والي كما في الفتح ، قوله : للضرورة : أي ضرورة عدم وجود حاكم يشهد عنده "(شامی:۲/۳۸۵-۳۸۶)

علامہ ابن نجیم نے فرمایا کہ:" أنهم لو كانوا ببلدة لا قاضي فيها ولا والي فإن الناس يصومون بقول الثقة ويفطرون بإخبار عدلين للضرورة ۔"(بحر:۲/۲۶۷)

(۲) علامہ کی عبارت یہ ہے:"اعلم أن بلاد الهنداليوم ليست فيها حكومة إسلامية وليس فيها دار قضاء المسلمين ، فالحكم في مثلها الصوم بإخبار ثقة والفطر بقول ثقتين ، ولا ينبغي لعلماء العصر من المفتين المشي على ما هو شان قضاء دار الإسلام من الشهادة وغيرها۔"(معارف السنن:۵/۳۴۵)

مگر حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے ''عمدۃ الرعایہ'' میں اس کے خلاف یہ لکھا ہے کہ ثقہ عالم حاکم کے قائم مقام ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

" و العالم الثقة في بلدة لا حاكم فيها قائم مقامه "۔(۱)

اور حضرت مفتی شفیع صاحب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''جن ملکوں میں اسلامی حکومت نہیں ہے یا ہے مگر باقاعدہ شرعی قاضی مقرر نہیں ہیں، وہاں شہر کے عام دیندار مسلمان جس عالم یا جماعت پر مسائل دینیہ میں اعتماد کرتے ہوں، اس شخص یا جماعت کو قاضی کے قائم مقام سمجھا جائے گا اور رؤیت ہلال میں اس کا فیصلہ واجب التعمیل ہوگا۔''(۲)

زمانے کے موجودہ حالات کے لحاظ سے بھی بہتر یہی ہے کہ جہاں قاضی نہ ہو، وہاں کسی معتبر عالم دین یا جماعت و کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کیا جائے تا کہ انتشار وافتراق سے بچا جا سکے۔

رؤیتِ ہلال اور جدید فلکیات

عصر حاضر نے جہاں اور چیزوں میں نت نئی تحقیقات اور حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں، وہیں فلکیاتی علوم وفنون کو بھی بام عروج پر پہنچا دیا ہے اور اس سے بھی حیرت انگیز انکشافات سامنے لائے گئے ہیں اسی کی ایک کڑی یہ ہے کہ ایسے چارٹ اور نقشے تیار کر لئے گئے ہیں کہ جن کے ذریعہ پوری دنیا کے مختلف بڑے

(۱) عمدۃ الرعایہ: ۱/۲۴۶، حاشیہ: ۸

(۲) رؤیت ہلال: ۱۵

بڑے شہروں اور مشہور علاقوں میں متعدد سالوں تک ہر نئے چاند (NEW MOON) کی تاریخ اور امکانی وقت دریافت کرنا آسان ہو گیا ہے۔ ملیشیا یونیورسٹی کے پروفیسر اور مسلمان سائنسدان ڈاکٹر محمد الیاس نے بھی اس قسم کا ایک عالمی نقشہ تیار کیا ہے جس سے ۳۱ سال تک نئے چاند کا وقت و تاریخ معلوم کر سکتے ہیں۔ (۱)

ان چیزوں کے پیشِ نظر فقہی مباحث میں ایک بحث یہ پیدا ہو گئی ہے کہ چاند کی پہلی تاریخ کا فیصلہ رؤیت پر معلق کرنے کے بجائے اگر ان جدید فلکیاتی تحقیقات سے فائدہ اٹھا کر ان سے ہی اس مسئلہ کو حل کر لیا جائے تو کیا شرعی نقطۂ نظر سے اس کی گنجائش ہے؟

یہ مسئلہ قدیم فقہاء کے درمیان بھی زیرِ بحث آیا ہے اور بعض فقہاء نے اس پر مستقل رسائل لکھے ہیں، علامہ سبکی شافعیؒ کے رسالہ کا ذکر علامہ شامیؒ نے کیا ہے، علامہ ابنِ تیمیہ نے بھی اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے جو ان کے فتاویٰ میں شامل ہے اور بعض حضرات نے فتاویٰ میں اس پر مستقل کلام فرمایا ہے۔ اس مسئلہ پر ہم کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ حتی الامکان اس کا ہر پہلو واضح و مدلل ہو۔

قدیم فقہاء کا مذہب

یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ فلکیاتی علوم کو اگرچہ ترقی تو موجودہ دور میں ہوئی ہے مگر ان علوم پر قدیم زمانے سے محنت ہو رہی ہے اور اس کے ماہرین ہر دور میں رہے ہیں اور ان علوم کے لئے دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مراکز قائم رہے ہیں، اس لئے قدیم فقہاء کے درمیان یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا ہے اور ان

(۱) دیکھو تعمیر حیات لکھنؤ: شمارہ ۱۰ نومبر ۱۹۸۸ء

حضرات نے اس پر غور وفکر کے بعد اپنی آراء کا اظہار بھی کیا ہے چنانچہ حضراتِ مالکیہ، حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک حسابی طریقہ یا آلاتِ رصدیہ کے ذریعہ ثابت ہونے والے چاند پر عید و رمضان کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ خود اس حسابی طریقہ سے چاند معلوم کرنے والے کو بھی اپنی اس تحقیق پر عمل کرتے ہوئے رمضان اور عید کرنا واجب نہیں۔(۱)

---

(۱) چنانچہ مالکیہ کا مسلک یہ ہے:

"فمن تسبب له بغير البصر معتمداً على الحساب لم يوجد في حقه السبب فلا يرتب عليه حكم ......فلو كان الإمام يرى الحساب فأثبت الهلال به لم يتبع لإجماع السلف على خلافه" ۔(الذخیرہ:۲/۴۹۳)

اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ :

"من صام بنجوم أو حساب لم يجزئه و إن أصاب ـولا يحكم بطلوع الهلال بهما ......لأنه ليس بمستند شرعي"۔(کتاب الفروع:۴/۴۱۲-۴۱۳)

علامہ عاصمی نجدی حنبلیؒ نے اس مسئلہ کے حوالے سے بڑا ہی زبردست کلام کیا ہے، بغرض افادہ پورا کلام پیش ہے:

"وأجمعوا على أنه لا اعتبار بالحساب ؛لقوله ﷺ "صوموا لرؤيته ، وأفطروا لرؤيته " ولم يقل : للحساب۔ وقال الشيخ :المعتمد على الحساب في الهلال ، كما أنه ضال في الشريعة ، مبتدع في الدين ، فهو مخطيء في العقل والحساب ، فإن العلماء بالهيئة يعرفون أن الرؤيةلا تنضبط بأمر حسابي وإنما غاية الحساب منهم ، إذا عدل ، أن يعرف كم بين الهلال و الشمس درجة ، ووقت الغروب مثلاً ؛ لكن الرؤية ليست...............

بلکہ علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ اہلِ نجوم کے قول پر بالاجماع اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور خود اہلِ نجوم کو بھی اپنے حساب پر عمل کرنا جائز نہیں۔(۱)

شوافع کا مسلک ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں یہ نقل کیا ہے کہ منجم کا قول خود اس کے حق میں اور اس کی تصدیق کرنے والے کے حق میں قابلِ اعتبار ہے۔(۲)

..........مضبوطة بدرجات محدودة ، فإنها تختلف باختلاف حدة النظر وكلاله ، وارتفاع المكان الذي يتراءى فيه الهلال ، وانخفاظه ، وباختلاف صفاء الجو، وكدره ، وقد يراه بعض الناس لثمان درجات ، وآخرون لا يرونه لثنتي عشرة درجة ، فيجب طرحه ، والمعول بما عول عليه الشرع“۔

(حاشیۃ الروض المربع :۳/۳۵۹)

اور احناف کا مسلک یہ ہے:

[لا عبرة بقول المؤقتين] لا يعتبر قولهم بالإجماع ، ولا يجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه ۔(شامی:۳/۳۵۴)

وأشارالمصنف إلى أنه لا عبرة بقول المنجمين۔قال في غاية البيان : ومن قال : يرجع فيه إلى قولهم فقد خالف الشرع۔(البحر:۲/۴۶۰)

و لا يعتبر قول المنجمين بالإجماع ، ومن رجع إلى قولهم فقد خالف الشرع۔(البنایہ للعینی :۳/۶۱۳۔)

نقل في الهندية :وهل يرجع إلى أهل الخبرة العدول ممن يعرف علم النجوم؟ الصحيح أنه لا يقبل ، كذا في سراج الوهاج ، ولا يجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه ، كذا في معراج الدراية۔(الفتاوی الہندیہ:۱/۲۱۷)

(۱) شامی:۳/۳۵۴

(۲) الفقہ :۱/۵۵۱

مگر دوسرے علماء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح نہیں بلکہ حضرات شوافع بھی جمہور کی طرح اسی کے قائل ہیں کہ حسابی طریقہ پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔ ہاں شوافع میں سے بعض حضرات کا یہ مسلک ہے، جس پر خود حضرات شوافع نے نکیر فرمائی ہے چنانچہ علامہ شامی نے فرمایا کہ سبکیؒ نے جو اہلِ حساب پر اعتماد کو جائز کہا ہے اس پر متاخرین شافعیہ نے رد کیا ہے جن میں ابنِ حجرؒ اور رملیؒ ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے تمام اصحاب سوائے چند نادر لوگوں کے اس پر متفق ہیں کہ اہلِ نجوم کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔(۱)

علامہ حمویؒ نے حاشیہ اشباہ میں شافعی مذہب کی کتاب ''التہذیب'' کے حوالے سے لکھا ہے:

''لایجوز تقلید المنجم في حسابه لا في الصوم ولا في الافطار''(نجومی کی تقلید اس کے حساب میں جائز نہیں ہے، نہ روزے میں نہ افطار میں)۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ حساب کے اقوال پر اعتماد کر کے روزہ رکھنا یا روزوں کو ختم کرنا، شوافع کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے، بس ائمہ اربعہ اور ان کے اصحاب و اتباع کا یہی قول ہے۔(۳)

---

(۱) شامی: ۳/۳۵۴

(۲) الحموی علی الاشباہ: ۲/۶۶

(۳) جمہور حضرات شوافع کا بھی مسلک وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ کا ہے، اس کے لئے دیکھئے المجموع شرح المہذب: ۶/۲۸۸-۲۹۰، روضۃ الطالبین: ۲/۲۱۰-۲۱۱، الحاوی الکبیر: ۳/۴۰۷-۴۰۹

فلکیاتی حساب پر اعتماد اجماع کے خلاف ہے

بلکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ فلکیاتی حساب پر اعتماد کرنا خلافِ اجماع ہے۔ گویا ان چند شاذ اقوال کو چھوڑ کر پوری امت اس پر متفق ہے کہ اہلِ حساب کے قول پر اعتماد جائز نہیں ہے۔ البتہ روافض کا قول ہے کہ حساب پر اعتماد کیا جائے۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے فرمایا کہ:

"ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اس میں اہلِ حساب کی طرف رجوع کیا جائے اور یہ روافض ہیں۔ علامہ باجیؒ نے فرمایا کہ سلفِ صالح کا اجماع ان کے خلاف حجت ہے۔ اور علامہ ابنِ بریزہ نے کہا یہ باطل مذہب ہے"۔(۱)

علامہ ابنِ تیمیہ رَحِمَهُ اللهُ نے اپنی عادت کے مطابق اس پر بہت طویل کلام کیا ہے۔ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"بلاشبہ ہم دین اسلام میں سے اس بات کو بالاضطرار جانتے ہیں کہ روزہ، حج، عدت، ایلاء وغیرہ چاند سے متعلق احکام میں

---

(۱)**قال العسقلاني**: وذهب قوم إلى الرجوع إلى أهل التسيير وهم الروافض ونقل عن بعض الفقهاء موافقتهم ، قال الباجي:وإجماع السلف الصالح حجة عليهم ۔ وقال ابن بريزة:وهو مذهب باطل ، فقد نهت الشرع عن الخوض في علم النجوم لأنها حدس وتخمين ليس فيها قطع ولا ظن غالب ، مع أنه لو ارتبط الأمر بها لضاق إذ لا يعرفها إلا القليل ۔
(فتح الباری:۴/۱۶۳)

حساب دان کی اس خبر پر کہ وہ (چاند) نظر آئے گا یا نہیں آئے گا؛
عمل کرنا جائز نہیں۔ اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے اور
اس بارے میں نہ کوئی پرانا اختلاف معلوم ہے نہ کوئی نیا اختلاف؛
ہاں بعض متاخرین فقہاء جو تیسری صدی کے بعد ہوئے ہیں
انہوں نے یہ گمان کیا کہ جب چاند مستور ہو جائے تو حساب
جاننے والے کو اپنے حساب پر عمل کرنا جائز ہے۔ یہ قول اگر چہ
چاند کے مستور ہونے کی صورت کے ساتھ مقید اور حساب دان
کے لئے مختص ہے۔ مگر شاذ ہے اور اس کے خلاف پہلے اجماع
ہو چکا ہے۔'' (۱)

اہل حق میں سے جو حضراتِ فقہاء وعلماء اہلِ حساب پر اعتماد کے قائل ہیں وہ گنے چنے ہیں، جن کا خلاف اجماع کے لیے مضر نہیں ہے۔ ان حضرات میں ایک محمد بن مقاتل کا نام آتا ہے جو اہل حساب کے قول پر اس وقت اعتماد کرتے تھے جبکہ ان کی ایک جماعت متفق ہوتی مگر ان پر علامہ سرخسیؒ نے رد کیا ہے۔ (۲)

دوسرے قاضی عبد الجبار ہیں اور ایک صاحب ''جمع العلوم'' ہیں ان سے بھی نقل کیا

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳۳/۲۵

(۲) **قال ابن نجیم**:"قال بعض أصحابنا: لا بأس بالاعتماد على قول المنجمين ۔ وعن محمد بن مقاتل أنه كان يسألهم ويعتمد على قولهم بعد أن يتفق على ذلك جماعة منهم ۔ورده الإمام السرخسيؒ بالحديث "
(الاشباہ والنظائر لابنِ نجیم: ۶۶/۲)

گیا ہے کہ اہلِ نجوم پر اعتماد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۱)

شوافع میں سے علامہ سبکیؒ کا نام لیا جاتا ہے جو اہلِ ہیئت کے حساب پر اعتماد کے قائل تھے اور اس سلسلے میں انھوں نے رسالہ بھی لکھا ہے مگر محققین شوافع نے ان پر رد کیا ہے جیسا کہ اوپر گذرا، اور ابنِ حجر نے بعض اور نام بھی اس سلسلے میں ذکر کیے ہیں۔ ابن سریج شافعیؒ، مطرف بن عبداللہ تابعیؒ اور ابنِ قتیبہ محدث۔ مگر ان پر علماء نے رد کیا ہے اور ان کے قول کو اجماع کے خلاف قرار دیا ہے۔(۲)

جمہور علماء کے دلائل

۱- جمہور علماء کے دلائل یہ ہیں کہ صوم و افطار صوم کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں واضح طور پر حکم دیا ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : الشهر تسع و عشرون ، فلا تصوموا حتى تروه ولا تفطروا حتى تروه ، فإن غم عليكم فاقدروا له ثلاثين "۔(۳)

(ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہینہ ۲۹/دن کا ہوتا ہے، پس تم روزہ نہ رکھو یہاں تک

(۱)فنقل أولاً عن القاضي عبد الجبار وصاحب جمع العلوم أنه لا بأس بالاعتماد على قولهم ۔(ردالمحتار:۳/۳۵۵)

(۲) دیکھو: فتح الباری:۴/۱۵۷

(۳)ابوداود:۲۶۴،الرقم:۲۳۲۰

کہ تم چاند دیکھ لو اور روزہ نہ چھوڑو یہاں تک کہ تم چاند دیکھ لو، پس اگر تم پر چاند پوشیدہ ہو جائے تو تیس دن کا حساب کرلو)۔

یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے اور مطلب و مقصد سب کا تقریباً یکساں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انتیسویں تاریخ کو اگر چاند کی رویت ہو گئی تو روزہ و افطار (رمضان و عید) اسی کے مطابق کریں گے اور اگر چاند نظر نہ آیا تو تیس دن مکمل کر کے اگلے دن سے ماہ کا حساب ہوگا خواہ فلکیاتی حساب کی رو سے نیا چاند انتیسویں کو ہو یا نہ ہو، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس حدیث میں خاص طور پر یہ بات غور کرنے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ۲۹/ تاریخ کو چاند مستور رہ جانے کی صورت میں تیس دن مکمل کرنے کا حکم دیا ہے اور ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ مستور چیز معدوم نہیں ہوتی بلکہ فی الواقع موجود ہوتی ہے۔ البتہ اس پر کسی چیز کا پردہ پڑ جانے کی وجہ سے نظروں سے مستور ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ چاند افق پر موجود ہوتے ہوئے بھی اگر تمہاری نظروں سے بوجہِ گرد و غبار یا بوجہِ بادل پوشیدہ رہ جائے تو تیس دن کا مہینہ قرار دیا جائے اور یوں سمجھا جائے کہ ۲۹/ کو شرعاً چاند نہیں ہوا۔

اس مفہوم کی مزید توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

”لا تقدموا الشهر بصيام يوم ولا يومين إلا أن يكون شيء يصومه أحدكم ولا تصوموا حتى تروه ثم صوموا حتى تروه ، فإن حال دونه غمامة فأتموا العدة ثلاثين ثم

أفطروا والشهر تسع وعشرون"۔(۱)

''کہ رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو، الا یہ کہ کوئی ایسی بات ہو جس میں تم میں سے کوئی ایک روزہ رکھتا ہو روزہ نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھو (پھر چاند دیکھنے کے بعد) روزہ رکھو، جب تک کہ پھر چاند دیکھو، پس اگر چاند پر بادل حائل ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کر لو''۔

اس روایت میں ترمذی نے ''غیابۃ'' اور ابوداؤد نے ''غمامۃ'' اور نسائی نے ''سحاب'' روایت کیا ہے، اور تینوں کا مطلب ایک ہے وہ یہ کہ چاند کے اور ہمارے درمیان بادل یا اور کسی چیز کا پردہ حائل ہو جائے اور چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرو، اس سے صاف معلوم ہوا کہ مہینہ کی آمد یا تو ۲۹ تاریخ کو رویت پر ہوگی یا اگر رویت نہ ہو تو تیس دن کی تکمیل کے بعد ہوگی؛ لہٰذا کسی حسابی طریقہ یا آلاتِ رصدیہ کی بنیاد پر مہینہ کی آمد تسلیم نہیں کی جائے گی۔

۲- جمہور علماء کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إنا أمّة أمّيّة لا نكتب و لا نحسب ، الشهر هكذا و هكذا" يعني مرة تسعاً و عشرين و مرة ثلاثين"(۲)

---

(۱) ابو داؤد: ۲۶۵، الرقم، ۲۳۲۷۔ ترمذی: ۲/ ۶۷، الرقم: ۶۸۸۔ سنن کبری نسائی: ۳/ ۱۰۳، الرقم، : ۲۴۵۰

(۲) بخاری: ۱۲۵۴، الرقم: ۱۹۱۳۔ مسلم: ۵۴۵، الرقم: ۱۰۷۹۔ ۱/ ۴۷۔ سنن کبری نسائی: ۳/ ۱۰۷، الرقم: ۲۴۶۲۔ ابوداود: ۲۶۴، الرقم: ۲۳۱۹

یعنی ہم امی امّت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں مہینہ کبھی اس طرح ہوتا ہے اور کبھی اس طرح (یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں سے اشارہ فرمایا) راوی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا۔

اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ ماہ کے آغاز وانجام کا مدار ان حسابات پر نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

”حدیث کا ظاہر سیاق اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ (چاند کا) حکم حساب پر معلق نہیں ہے اور اس کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا، ”اگر تم پر چاند مستور ہو جائے تو تیس دن پورے کرلو“ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اہلِ حساب سے پوچھو۔“ (۱)

اور علامہ ابنِ تیمیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

”اللہ کے رسول علیہ السلام کا یہ قول وارشاد خبر ہے جس میں نہی شامل و پوشیدہ ہے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ وہ امت جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والی ہے وہ امت وسط (اعتدال والی امت ہے) جو امّی ہے نہ لکھتی ہے نہ حساب کرتی ہے۔ پس جو لکھتے اور حساب کرتے ہیں وہ اس (خاص) حکم میں اس امت میں سے نہ ہوں گے“۔ (۲)

---

(۱) فتح الباری: ۴/۱۶۳

(۲) فتاوی ابن تیمیہ: ۲۵/۱۶۵

غرض اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ ہلال کا مدار حساب پر نہیں ہے بلکہ حساب پر مدار رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

چاند کو رؤیت پر معلق کرنے کی حکمت

اب رہی یہ بات کہ شرع نے چاند کو رؤیت پر کیوں معلق کیا اور حساب پر اس کا مدار کیوں نہ رکھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شرع نے یہ حکم اور قانون بڑی حکمت و مصلحت کے پیش نظر بنایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ رؤیت ایک عام چیز ہے جس میں ہر خاص و عام، جاہل و عالم، شہری و دیہاتی، برابر حصّہ لے سکتا اور اپنی عبادات کو اس کے مطابق سرانجام دے سکتا ہے۔ اس کے برخلاف ''حساب'' ہر کوئی نہیں جانتا اور نہ جان سکتا ہے۔ اگر اس پر چاند کا مدار رکھا جاتا تو عبادات متعلقہ کی ادائیگی معدودے چند لوگوں کی رائے و فیصلہ پر موقوف رہتی جس میں سخت حرج اور انتہائی پریشانی ہے اور اسلام کا مزاج یہ نہیں کہ عوام کو تنگی و پریشانی میں ڈالے بلکہ وہ سہولت و آسانی فراہم کرنا چاہتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ چاند کا حساب آج تک بھی منضبط نہیں اور اس کا کوئی اصول و قاعدہ دریافت نہیں ہوسکا ہے اور اہل حساب نے قدیم زمانے سے اس کا اعتراف کیا ہے کہ رؤیت ہلال کس دن ہوگی، اس کا قطعی فیصلہ کرنے کے لئے کوئی اصول اور ضابطہ دریافت میں نہیں آیا۔ جب اس کا کوئی ضابطہ ہی دریافت نہیں ہوا تو اس بحث کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ حساب پر رؤیت ہلال کو معلق کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

رؤیتِ ہلال کے لئے کوئی فلکیاتی حساب منضبط نہیں

چنانچہ قدیم و جدید دونوں تحقیقات اس پر متفق ہیں کہ رؤیتِ ہلال کے لئے کوئی

فلکیاتی حساب وقاعدہ منضبط نہیں ہوسکتا۔علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس پر بہت تفصیل کے ساتھ مدلل کلام کیا ہے۔وہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

"اعلم أن المحققين من أهل الحساب كلهم متفقون علىٰ أنه لا يمكن ضبط الرؤية بحساب بحيث يحكم بأنه يرى لا محالة ، أو لا يرى البتة على وجه مطرد ،وإنما قد يتفق ذلك أو لا يمكن بعض الأوقات و لهذا كان المعتنون بهذا الفن من الأمم : الروم والهند والفرس والعرب و غيرهم مثل بطليموس الذي هو مقدم هؤلاء و من بعدهم قبل الإسلام وبعده لم ينسبوا إليه في الرؤية حرفاً واحداً"۔(۱)

"جان لو کہ اہل حساب میں سے تمام کے تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ رؤیتِ ہلال کو کسی حساب سے منضبط کرنا ممکن نہیں کہ یہ حکم لگایا جاسکے کہ وہ یقیناً دکھائی دے گا یا دکھائی نہ دے گا، بلکہ رؤیت کبھی اتفاقاً ہو جاتی ہے،اور بعض اوقات ممکن نہیں ہوتی ،اور یہی وجہ ہے کہ روم ، ہندوستان ، فارس اور عرب وغیرہ اقوام میں سے جو لوگ اس فن (فلکیات) سے دلچسپی واعتناء کرنے والے تھے جیسے بطلیموس جو کہ ان لوگوں میں مقدم ہے اور جو ان کے بعد گزرے ہیں خواہ اسلام سے قبل یا اسلام کے بعد،ان کی طرف رؤیت کے بارے میں ایک حرف بھی منسوب

(۱) فتاوی ابن تیمیہ:۱۸۳/۲۵

نہیں کیا گیا ہے‘‘۔

علامہ ابن تیمیہ نے تمام محققین اہل حساب سے یہ نقل فرمایا کہ رؤیت ہلال کے بارے میں کوئی حساب اور ضابطہ منضبط کرنا خارج از امکان ہے۔ اور لیجئے چوتھی صدی ہجری کے نامور فلاسفر اور ماہر نجوم وفلکیات ابوالریحان البیرونی نے اپنی کتاب ’’الآثار الباقیۃ‘‘ میں تمام علماء فلکیات کا اجماعی نظریہ یہی بتایا ہے کہ:

فضائی وفلکیاتی حالات ایسے ہیں کہ جو کوئی غور کرے گا تو رؤیت ہلال کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی قطعی فیصلہ ہرگز نہ کر سکے گا۔(۱)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ’’رؤیت ہلال‘‘ میں لکھا ہے کہ ’’

’’کشف الظنون‘‘ میں بحوالہ شمس الدین، محمد بن علی خواجہ کا چالیس سال کا تجربہ یہی لکھا ہے کہ ان معاملات میں کوئی صحیح اور یقینی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی، جس پر اعتماد کیا جا سکے‘‘۔(۲)

یہ بیانات اگرچہ بہت پرانے ہیں مگر صورت حال آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے، بلکہ جدید فلکیاتی علوم کے ماہرین بھی اس بات کا اعادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

چنانچہ ایک پاکستانی مصنف جناب ضیاء الدین صاحب نے اپنے ایک رسالہ ’’رؤیت ہلال موجودہ دور میں‘‘ میں یہ لکھا ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں یونیورسٹی آف لندن آبزرویٹری اور رائل گرین وچ آبزرویٹری سے استفسار کیا، اس کے

(۱) آثار الباقیہ، ۱۹۸ بحوالہ رؤیت ہلال: ۲۵

(۲) رؤیت ہلال: ۴۸

جواب میں ان کو یونیورسٹی آف لندن آبزرویٹری کے شعبہ فزکس وعلوم فلکیات کے اسٹنٹ ڈائرکٹر نے جواپنی ماہرانہ رائے اور فیصلہ دیا، وہ یہ تھا:

''آپ کے استفسار کے متعلق کہ آیا رصد گاہی سائنسداں کوئی ایسا معیار قائم کرنے کے قابل ہو چکے ہیں جس سے نیا چاند نمودار ہونے والی شام کی یقینی پیشگوئی کی جاسکے؟ مجھے افسوس ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔ کچھ عرصہ قبل اس خاص مسئلہ پر قضاۃ ،سعودی عرب کے اراکین کے ساتھ میرے طویل مذاکرات ہوئے اور یہ معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں پیش کی جانے والی کوئی بھی تجویز یقینی طور پر قرآنِ مجید کی ضروری شرائط سے تقریباً متصادم ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ درحقیقت رؤیتِ ہلال کے متعلق کوئی بھی مفروضہ قائم نہیں کیا جاسکتا ،آخر میں لکھا ہے کہ مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ میرے خیال میں کوئی ایسا سائنسی طریقہ نہیں ہے جس سے کہ اس موقع پر اسلام کی ضروری شرائط پوری کی جاسکیں''۔(۱)

جناب ضیاء الدین صاحب نے آگے چلکر رصد گاہ گرین وچ کی سائنس ریسرچ کونسل کے فلکیاتی معلوماتی قرطاس نمبر۶/ کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''ہر ماہ نئے چاند کے پہلی مرتبہ نظر آنے والی تاریخوں کے متعلق پیش گوئی کرنا ممکن نہیں ؛ کیونکہ ایسے کوئی قابلِ اعتماد اور مکمل طور پر مستند مشاہدات موجود نہیں ہوتے جنہیں ان شرائط کو

(۱) رؤیتِ ہلال موجودہ دور میں:۱۵

متعین کرنے میں استعمال کیا جاسکے جو چاند کے اول بار نظر آنے
کے لئے کافی ہو۔(۱)

ان جدید ماہرینِ فلکیات کے بیانات کا حاصل بھی وہی نکلا کہ رؤیت ہلال کی یقینی پیش گوئی کے لئے کوئی حساب واصول اور سائنسی طریقہ نہیں ہے۔ یہ بیانات بالکل تازہ اور ''اپٹوڈیٹ'' ہیں، اور ان سے ان لوگوں کے خیال کا بطلان ظاہر ہوگیا جو کہتے ہیں کہ اس دورِ ترقی میں فلکیاتی علوم کی ترقی سے یہ بات ممکن ہوگئی کہ رؤیتِ ہلال کو حساب کے ذریعہ معلوم کرلیا جائے۔ ابھی ہم نے قدیم اہلِ حساب کے ساتھ جدید ماہرینِ فلکیات کے بیانات ملاحظہ کئے جو سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ رؤیت ہلال کے لئے کوئی حساب منضبط نہیں ہے اور نہ ممکن ہے۔

امکانِ رؤیت سے رؤیت ثابت نہیں ہوتی

غرض یہ کہ آج تک کسی ماہر فلکیات نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ فلاں مہینہ کا چاند فلاں سال میں فلاں تاریخ کو نظر آئے گا۔ البتہ ان لوگوں نے امکانِ رؤیت کا دعویٰ کیا ہے اور یہ بات معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ رؤیت کے وقوع اور رؤیت کے امکان میں بڑا فرق ہے۔ ماہرین فلکیات صرف اتنا بتاتے ہیں کہ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ و دن میں رؤیت ہلال کا امکان ہے۔ مگر وہ یہ حتمی وقطعی فیصلہ نہیں دیتے اور نہ دے سکتے ہیں کہ فلاں تاریخ و دن میں رؤیت واقع ہوجائے گی۔ اسلام نے مدار صوم وافطار وقوع رؤیت کو قرار دیا ہے، نہ کہ محض امکانِ رؤیت کو۔

چنانچہ اوپر اس کی وضاحت کر چکا ہوں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم

(۱) رؤیتِ ہلال موجودہ دور میں: ۱۷

صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۹/ تاریخ کو چاند مستور رہ جانے کی صورت میں حکم دیا ہے کہ تیس دن پورے کرلو، اس میں چاند کو معدوم نہیں مانا گیا ہے بلکہ مستور کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ نکلا کہ چاند اپنے افق پر موجود ہونے کے باوجود کسی عارض کی وجہ سے نظر نہ آئے تو بھی شرعی حکم یہ ہے کہ تیس دن پورے کرو۔

غور کیجئے کیا اس صورت میں جب کہ چاند مستور ہے، رؤیت کا امکان نہیں ہے؟ بلاشبہ ہے۔ اگر نظر نہیں آرہا ہے تو اللہ کے رسول علیہ السلام نے امکانِ رؤیت کے باوجود تیس دن پورے کرنے کا حکم دیا ہے؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ محض رؤیت کا امکان ثبوتِ رؤیت کے لئے کافی نہیں۔

علامہ شامی نے قبلہ کی تعیین کے لئے فلکیاتی تحقیقات کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کی بحث کے ضمن میں اس مسئلہ پر بھی کلام کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ما صرح به علماء نا من عدم الاعتماد على قول أهل النجوم في دخول رمضان ؛ لأن ذالك مبني على أنّ وجوب الصوم معلق برؤية الهلال لحديث "صوموا لرؤيته" و توليد الهلال ليس مبنياً على الرؤية بل على قواعد فلكية وهي و إن كانت صحيحة في نفسها ؛لكن إذا كانت و لا دته في ليلة كذا فقد يرى فيها الهلال و قد لا يرى ، و الشارع علق الوجوب على الرؤية لا على الولادة ۔(۱)

یعنی ہمارے علماء نے جو رمضان کی آمد کے بارے میں اہل

(۱) ردالمحتار: ۳/ ۳۵۵

نجوم کے قول پر اعتماد نہ ہونے کی تصریح کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے
کہ روزے کا وجوب رؤیت ہلال پر معلق ہے۔ اس حدیث کی رو
سے کہ ”صوموا لرؤیته“ کہ چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند کی
ولادت رؤیت پر مبنی نہیں ہے بلکہ فلکیاتی قواعد پر مبنی ہے، اور یہ
قواعد اپنی جگہ اگرچہ صحیح ہیں لیکن اگر کسی رات میں چاند کی ولادت
ہو تو کبھی وہ نظر آتا ہے اور کبھی نظر نہیں آتا اور شارع نے روزے
کے وجوب کو رؤیت پر معلق کیا ہے نہ کہ چاند کی ولادت پر۔

علامہ شامیؒ کی اس عبارت سے یہ واضح ہوا کہ تولید ہلال الگ چیز ہے اور رؤیت ہلال الگ چیز ہے۔ تولید ہلال جس کو (NEW MOON) کہا جاتا ہے، اس سے صرف رؤیت کا امکان پایا جاتا ہے نہ کہ رؤیت کا وقوع۔ اور شریعت نے محض تولید ہلال یا امکان رؤیت پر مدارِ کار نہیں رکھا ہے، بلکہ وقوع رؤیت پر مدار ہے۔

رؤیت پر اثر انداز ہونے والے عوامل

وجہ یہ ہے کہ امکان رؤیت کے باوجود، بعض عوامل کی بنا پر رؤیت واقع نہیں ہوتی، علماء فلکیات نے مسلسل تجربے اور مشاہدے کی بنا پر بیان کیا ہے کہ چاند جب ۲۹/ دن، ۲۱/ گھنٹے، ۴۴/ منٹ اور ۳/ سکنڈ میں اپنی گردش پوری کر کے سورج سے جا ملتا ہے تو اس وقت اس کا دکھائی دینا ممکن نہیں بلکہ اس کے بعد بھی تقریباً ۱۹/ یا ۲۰/ گھنٹے تک اس کا نظر آنا خارج از امکان ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے نظر آنے کے امکانات شروع ہوتے ہیں، اور عام طور پر ۲۱/ یا ۲۲/ گھنٹوں بعد ہی وہ قابل

رؤیت ہوتا ہے۔ مگر اس وقت یہ محض امکان ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ نظر آئے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نظر نہ آئے؛ کیوں کہ رؤیت پر بعض عوامل اثر انداز ہوتے ہیں؛ مثلاً مطلع کی کیفیت، فضا میں گرد وغبار، مقام مشاہدہ کا محل وقوع، اسی طرح گرمی، سردی، فضا کی نمی، فضا کی خشکی، یہ سب باتیں رؤیت پر اثر انداز ہوتی ہیں؛ لہٰذا محض امکان رؤیت پر مدار نہیں رکھا گیا بلکہ رؤیت حقیقی وواقعی پر مدار رکھا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فلکیاتی علوم کی بنیاد پر رؤیت کا مسئلہ حل نہیں کیا جاسکتا، اور جن حضرات نے ان کی ترقی کی طرف نظر کر کے یہ سمجھا ہے کہ اس مسئلہ کو ان علوم سے حل کیا جاسکتا ہے، یہ ان کی غلطی ہے۔ اور خود اس فن کے ماہرین نے اقرار کیا ہے کہ اب تک کوئی قابل وثوق ایسا طریقہ ایجاد نہیں ہوا ہے کہ جس سے شرعی رؤیت کی شرائط پوری ہوسکیں، فلکیاتی تحقیقات نے اب تک صرف مخصوص تاریخوں میں رؤیت ہلال کے امکان کو ظاہر کر دیا ہے مگر چونکہ صرف امکان سے شرعی رؤیت کا تحقق نہیں ہوتا جس پر احکام کا مدار ہے؛ اس لئے اس کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور اس پر احکام صوم وافطار کا مدار نہیں رکھا جاسکتا۔

ہوائی جہاز سے رؤیتِ ہلال

ہوائی جہاز سے اڑ کر اگر چاند دیکھا جائے تو یہ قابل اعتبار ہوگا یا نہیں اور ہوگا تو کس صورت میں ہوگا؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

ہوائی جہاز سے اڑ کر دیکھا ہوا چاند اس وقت قابل اعتبار ہوگا جب کہ جہاز کی پرواز اتنی بلند نہ ہو کہ سطح زمین کے افق اور اس بلندی کے افق میں فرق ہو جائے، اگر

اتنی بلندی پر جہاز سے پرواز کیا کہ سطح زمین اور اس بلندی کے افق میں کوئی فرق نہیں ہے تو اس چاند کا اعتبار کیا جائے گا، اس کی نظیر فقہ کا یہ جزئیہ ہے:

فأما إذ كانت متغيمة أو جاء من خارج المصر أو كان في موضع مرتفع فإنه يقبل عندنا۔(۱)

(جب آسمان ابر آلود ہو یا چاند دیکھنے والا شہر کے باہر سے آیا ہو یا کسی اونچی جگہ میں ہو تو اس کا قول ہمارے نزدیک مقبول ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ بلند جگہ سے چاند دیکھ کر خبر دے تو اس کا قول قابل اعتبار ہوگا، اور اس کی وجہ بقول فقہاء یہ ہے کہ بعض اوقات چاند بلندی سے دیکھا جا سکتا ہے جب کہ نیچے سے وہ نظر نہیں آتا۔(۲)

اس سے ہوائی جہاز سے دیکھے ہوئے چاند کا معتبر ہونا معلوم ہوا۔ لیکن جیسا کہ اوپر بھی اشارہ کیا گیا ہے، جہاز کی پرواز اگر بہت زیادہ بلند ہو جائے کہ وہاں تک

---

(۱) رد المحتار: ۳/ ۳۵۷

(۲) نقل الشامي: "وجه ظاهر الرواية أن الرؤية تختلف باختلاف صفو الهواء وكدرته وباختلاف انهباط المكان وارتفاعه، فإن هواء الصحراء أصفى من هواء المصر، وقد يرى الهلال أعلى المكان ما لا يرى من الأسفل، فلا يكون تفرده بالرؤية خلاف الظاهر بل على موافقة الظاهر"۔ (رد المحتار: ۳/ ۳۵۷)

وذكر الطحاوي: أنه تقبل شهادة الواحد إذا جاء من خارج المصر وكذا إذا كان على مكان مرتفع ۔(الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۸)

زمین والوں کی نظریں پہنچ ہی نہ سکیں تو اس چاند کا اعتبار نہ ہوگا۔

وجہ اس کی وہ ہے جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے بیان کی ہے کہ:

شرعاً رؤیت وہی معتبر ہے کہ زمین پر رہنے والے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ سکیں۔(۱)

اسی بات کو اور زیادہ وضاحت سے حضرت مفتیؒ صاحب نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے کہ:

''ہوائی جہاز کے ذریعہ رؤیت ہلال کی صورت میں بہت ممکن ہے کہ ہوائی جہاز اتنی بلندی پر پہنچ گیا ہو جہاں مطلع بدل جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دوسرے مطالع کا چاند تو مغربی جانب میں پرواز کر کے اٹھائیس، ۲۸/ تاریخ کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں مشہور اختلافی مسئلہ (اختلافِ مطالع معتبر ہے یا نہیں) سامنے آئے گا۔ لیکن محققین حنفیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا چاہئے۔ بناءً علیہ جو شہادت بذریعہ ہوائی جہاز بلادِ بعیدہ سے یا اتنی بلندی سے آئے جہاں اختلافِ مطالع ہو سکتا ہے؛ وہ شہادت اس جگہ کے لئے قابلِ قبول نہیں۔(۲)

الغرض بہت زیادہ بلندی کی رؤیت معتبر نہیں ہوگی۔ جس صورت میں ہوائی

---

(۱) آلات جدیدہ کے شرعی احکام: ۱۸۶

نیز مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ کے اجلاس منعقدہ ۳،۴/ مئی ۱۹۶۷ء کی تجویز میں بھی یہی کہا گیا ہے،۔ (رؤیت ہلال میں مولانا محمد میاں صاحب: ۱۰۳)

(۲) امداد المفتیین: ۴۸۲

جہاز کی رؤیت معتبر ہے، اس میں رمضان مبارک کا چاند ہو اور مطلع ابر آلود ہو تو ایک معتبر، ثقہ یا مستور الحال آدمی کی خبر کافی ہے؛ کیونکہ مطلع کے ابر آلود ہونے کی صورت میں، رمضان کے چاند کے لئے ایک ثقہ وعادل آدمی کی خبر معتبر ہوتی ہے۔(۱)

اسی طرح صحیح قول کے مطابق اس شخص کی خبر بھی یہاں معتبر ہے جس کا فسق ظاہر نہ ہو اور وہ مستور الحال ہو۔(۲)

چونکہ مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں عید کے چاند کے لئے دو ثقہ مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے جیسا کہ کتبِ فقہ میں مصرح ہے۔(۳)

(۱) إن كان بالسماء علة فشهادة الواحد على هلال رمضان مقبولة إذا كان عدلا مسلما عاقلا بالغا حرا كان أو عبدا ذكرا كان أو أنثى۔

(الفتاوی الہندیہ:۱/۲۱۷۔مراقی الفلاح:۲۳۵-۲۳۶)

(۲)وأما مستور الحال فالظاهر أنه لا تقبل شهادته ، وروى الحسن عن أبي حنيفةؒ أنه تقبل شهادته وهو الصحيح ، كذا في المحيط۔(**الفتاوی الہندیہ :۱/۲۱۷**)۔**وفي الدر**: [للصوم مع علة كغيم] وغبار [خبر عدل] أو مستور على ماصححه البزازي۔

(درمختار مع شامی:۳/۳۵۲،مراقی الفلاح:۲۳۶)

(۳)ويلتمس هلال شوال في تاسع وعشرين من رمضان ......وإن كان بالسماء علة لا تقبل إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين ـ الفتاوى الهنديه :۱/۲۱۸۔[وشرط للفطر،مع العلة]أي من غيم وغبار ودخان [نصاب الشهادة] هو رجلان أو رجل و امرأتان۔(**درمختار مع شامی :۳/۳۵۳۔شرح وقایہ:۷۵،والجواہرۃ النیرۃ:۱/۲۱۱،البحر الرائق:۲/۲۶۶**)

لہٰذا ہوائی جہاز کی رؤیت میں بھی یہی حکم ہوگا کہ مطلع اگر صاف نہ تھا اور عید کا چاند ہے تو دو شخصوں کی گواہی ضروری ہے، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی۔

مطلع اگر صاف ہو، ابر آلود و غبار آلود نہ ہو تو ہوائی جہاز کی خبر معتبر نہیں، نہ رمضان کے چاند کے لئے اور نہ عید کے چاند کے لئے؛ کیونکہ مطلع کے صاف ہونے کی صورت میں حضراتِ فقہاء نے رمضان و عید دونوں کے چاند کے لئے ایک جم غفیر کا دیکھنا اور اطلاع دینا ضروری قرار دیا ہے۔(۱)

اور جمِ غفیر کی تعریف میں علامہ صدر الشریعہ نے بیان کیا ہے کہ وہ ایسا بڑا مجمع ہے کہ اس کی خبر سے علم یقینی حاصل ہو جائے اور ان سب کا جھوٹ پر اتفاق عقل تسلیم نہ کرے۔(۲)

اور درمختار میں لکھا ہے کہ:

"ظن غالب" اس مجمع کی خبر سے حاصل ہو جائے"۔(۳)

اور یہی صحیح قول ہے۔ اس سے اتنی بات معلوم ہوگئی کہ مطلع کے صاف ہونے کی حالت میں ایسی خبر درکار ہے جس سے یقین نہ سہی، کم از کم غالب گمان اس بات کا حاصل ہو جائے کہ چاند ہو گیا، اس میں ایسا شک و تردد نہ رہے کہ ظنِ غالب کے

---

(۱) مصدر سابق

(۲) شرح وقایہ: ۷۵

(۳) [يقع العلم] الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم۔

(درمختار مع شامی: ۳/۳۵۶)

وإن لم يكن بالسماء علة فيهما يشترط أن يكون فيهما الشهود جمعاً كثيراً يقع العلم بخبرهم أي غالب الظن لا اليقين۔ (البحر: ۲/۴۶۸)

خلاف ہو، اب ہوائی جہاز کی زیرِ بحث رؤیت کو دیکھیے کہ کیا اس سے ظنِ غالب چاند کا حاصل ہوجاتا ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں نیچے والوں کا چاند کو نہ دیکھ سکنا اور ہوائی جہاز سے اس کا دیکھ لینا اس رؤیت میں ایک احتمال تو یہ پیدا کرتا ہے کہ دیکھنے والوں نے کسی اور چمکتے ہوئے ستارے کو دیکھ لیا ہو، ورنہ نیچے والوں کو مطلع صاف ہونے کے باوجود کیوں نظر نہ آیا۔ اور دوسرا احتمال یہ پیدا کردیتا ہے کہ جہاز کی پرواز اتنی بلند ہوگئی ہوگی کہ سطح زمین کا افق بدل گیا؛ اس لئے نیچے سے دیکھنے والوں کو نظر نہ آیا۔

ان احتمالات کے ساتھ ظن غالب حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے اگرچہ متعدد لوگوں نے ہوائی جہاز سے چاند دیکھا ہو، اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ فقہاء نے جم غفیر کی شرط اس لئے لگائی تھی کہ چاند ہوجانے کا ظن غالب حاصل ہوجائے جب یہاں یہ حاصل نہ ہوا تو جم غفیر کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا، اسی کو بعض علماء نے اختیار فرمایا ہے۔

راقم کہتا ہے کہ اگر کسی طرح ان احتمالات کو ختم کیا جاسکتا ہو اور ظن غالب حاصل ہوجائے تو پھر ہوائی جہاز کی عام رویت یا متعدد ہوائی جہازوں کی رویت کو معتبر قرار دینا چاہئے جب کہ علامہ شامی مطلع صاف ہونے کی صورت پر ایک شخص کی خبر کو بھی اس وقت کافی قرار دیتے ہیں جب کہ وہ کسی بلند جگہ پر ہو اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

”أن الرؤية تختلف باختلاف صفو الهواء و كدرته وباختلاف انهباط المكان وارتفاعه، فإن هواء الصحراء أصفى من هواء المصر، وقد يرى الهلال أعلى الاماكن

ما لا یری من الأسفل "۔(۱)

(ہوا کی صفائی اور کدورت کے اختلاف سے اور جگہ کے
پست و بلند ہونے کے لحاظ سے دیکھنے میں بھی اختلاف ہوتا ہے
اور جنگل کی ہوا شہر کی ہوا سے زیادہ صاف ہوتی ہے اور چاند کبھی
بلند جگہوں سے نظر آجاتا ہے جب کہ نیچے سے نظر نہیں آتا۔)

اس اصول پر اگر ہوائی جہاز کے مسئلہ کو قیاس کر کے کہا جائے کہ مطلع کے صاف ہونے کی صورت پر بھی اس کی رؤیت معتبر ہے تو درست ہوگا۔ مگر پہلے یہ احتمالات اچھی تدبیر سے ختم کر لئے جائیں۔ (واللہ اعلم)

خوردبین و دوربین سے رؤیت ہلال

خوردبین و دوربین سے رؤیت ہلال کے تقریباً وہی احکام ہیں جو اوپر جہاز سے رؤیت کے متعلق مذکور ہوئے کہ ان سے رؤیت معتبر ہے اور رمضان کے چاند کے لئے مطلع ابر آلود ہونے کی صورت پر ایک معتبر یا مستور الحال کی خبر کافی ہے اور عید کے چاند کے لئے مطلع ابر آلود ہونے کی حالت میں دو معتبر مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی محض خبر نہیں بلکہ شہادت و گواہی ضروری ہے اور مطلع صاف ہو تو اس سے دیکھے ہوئے چاند کا اعتبار اس وقت ہوگا جب کہ جم غفیر نے چاند دیکھا ہو اور چاند ہو جانے کا ظن غالب حاصل ہو جائے، ورنہ اگر یہ احتمال ہو کہ خوردبین یا دوربین سے کوئی اور سیارہ نظر آگیا ہوگا تو اس احتمال کے ساتھ مطلع صاف ہونے کی صورت پر اس کا اعتبار نہ ہوگا، نہ عید میں نہ رمضان میں، اسی طرح دوربین ایسی نہ

---

(۱) ردالمحتار: ۳/ ۳۵۷

ہو جس سے افق پر نہ آیا ہوا چاند بھی نظر آجاتا ہو، چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ اپنے ایک فارسی میں تحریر کردہ فتوی میں فرماتے ہیں:

"اگر بدلائل این فن امر بہ ثبوت پیوندد کہ خاصیت آں دوربین چنیں است کہ ہلال باوجود تحتِ افق بودن بواسطہ آن بنظر می آید حتی کہ شمس ہم باوجود عدم طلوع از افق دراں طالع می نماید آرے صحیح ومعتبر نباشد"۔(۱)

(اگر فنی دلائل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس دوربین کی خاصیت یہ ہے کہ چاند افق کے نیچے ہونے کے باوجود اس کے ذریعے نظر آجاتا ہے، حتی کہ سورج بھی افق سے طلوع نہ ہونے کے باوجود اس میں طلوع ہونے والا نظر آتا ہے تو اس سے رؤیت صحیح ومعتبر نہ ہوگی)۔

اگر ایسی دوربین ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کسی صورت پر بھی اس سے رؤیت کا اعتبار نہ ہوگا جیسا کہ حضرت نے لکھا ہے۔

ٹی وی (T.V) اور ریڈیو (Radio) سے رؤیت کی خبر

اگر ریڈیو اور ٹی وی سے رؤیت ہلال کی خبر معلوم ہو تو اس کے معتبر ہونے نہ ہونے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل تفصیل ملحوظ ہونا چاہئے:

ریڈیو اور ٹی وی کی خبر اس وقت معتبر ہوگی جبکہ خبر دہندہ ثقہ وعادل یا مستور الحال ہو اور اس ریڈیو اسٹیشن کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ علماء کے فیصلے کے بغیر کوئی خبر ہلال کے بارے میں شائع نہیں کرتا۔

---

(۱) امداد الفتاوی: ۲/۱۰۹

چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''(خبر و اطلاع) اگر کسی ریڈیو میں علماء کے فیصلے کے مطابق ثقہ لوگوں کے انتظام سے نشر کی جائے جس میں مغالطہ اور بے احتیاطی کا خطرہ نہ ہو، دوسرے شہروں میں جہاں خبر سنی جائے، اس کا قبول کر لینا اور اس خبر ثقہ کی بنا پر اپنی بستی میں روزہ کا اعلان کر دینا جائز ہے؛ لیکن اس پر عمل سے پہلے یہ تحقیق ضروری ہے کہ جن نشر گاہوں سے یہ خبر نشر ہوئی ہے وہاں اس کا معقول انتظام ہے کہ بدون علماء کے فیصلے کے کوئی خبر ہلال کے متعلق نشر نہیں کی جاتی؟ اور جب تک اس کی تحقیق نہ ہو اس کا قبول کرنا درست نہیں۔''(۱)

اس میں صرف ریڈیو کا ذکر ہے، لیکن چونکہ ٹی وی اور ریڈیو میں خبر کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، اس لئے ٹی وی کے بارے میں بھی یہی شرط معتبر ہوگی۔

مذکورہ بالا شرائط کے مطابق اگر کسی ریڈیو یا ٹی وی سے ہلال کی خبر آئے تو وہ رمضان کے ثبوت کے لئے معتبر مانی جائے گی، مفتی صاحب موصوفؒ فرماتے ہیں:

''صحیح اور معمول بھی یہی ہے کہ ہلال رمضان کی خبر میں چونکہ شہادت شرط نہیں اس لئے جس جگہ خبر دینے والے کی آواز جائے اور اس کا ثقہ ہونا معلوم ہو تو دوسرے شہروں میں اس پر عمل کرنا جائز ہے۔''(۲)

---

(۱) امداد المفتین: ۴۷۷

(۲) امداد المفتین: ۴۸۳

مگر یہاں وہ قاعدہ فقہیہ یاد رکھنا چاہئے کہ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں رمضان کے لئے ایک ثقہ یا مستور الحال کی خبر کافی ہے، لہٰذا مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ٹی وی و ریڈیو سے ایک کی رؤیت کی خبر آئے تو کافی ہے، لیکن مطلع صاف ہو تو متعدد اشخاص کی خبر ضروری ہے، لہٰذا اگر ریڈیو سے اعلان میں یہ کہا گیا ہو کہ ایک جم غفیر نے فلاں مقام پر چاند دیکھا ہے تو وہ معتبر ہے، ورنہ نہیں۔

رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں کے چاند کے لئے شہادت کا ہونا ضروری ہے، اس لئے عیدین کے چاند کی خبر بذریعہ ٹی وی اور ریڈیو کے معتبر نہ ہوگی؛ کیونکہ شہادت اس کو کہتے ہیں کہ شہادت دینے والا روبرو حاضر ہو کر گواہی دے۔(۱)

اور ریڈیو اور ٹی وی میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی، حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

> ''ہلال رمضان کے علاوہ ہلال عیدین اور دوسرے اہلّہ کے معاملے میں باتفاق فقہاء شہادت شرط ہے، اور شہادت کی شرائط میں سے سب سے بڑی شرط شہود شاہد یعنی عدالت کے سامنے گواہ کا حاضر ہونا ہے، جو ریڈیو کی خبر میں مفقود ہے لہٰذا ریڈیو کی خبر پر عید یا افطار کرنا درست نہیں ہوسکتا اگرچہ خبر دینے والے کتنے ہی ثقہ اور عالم کیوں نہ ہوں۔''(۲)

کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ٹی وی میں روبرو حاضر ہو کر گواہی ہوسکتی ہے: کیونکہ عرفِ

---

(۱) قال الشيخي زاده : وفي العناية : وفي اصطلاح أهل الفقه عبارة عن إخبار صادق في مجلس الحاكم بلفظة الشهادة۔(مجمع الانہر :۳/۲۵۸)

(۲) امداد المفتین :۴۸۴

عام میں بھی اور شرعی اصطلاح میں بھی اس حاضری کا نام شہادت نہیں ہے، اسی لئے اگر کوئی شخص اپنا بیان ویڈیو کیاسٹ (Video Cassette) میں بھر کر عدالت میں بھیج دے تو اس کا نام شہادت نہ ہوگا حالانکہ وہاں بھی اس کی تصویر ہوتی ہے مگر اس کی بنیاد پر کسی بھی عدالت گاہ میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

البتہ اگر کسی جگہ باقاعدہ شہادت کی بنیاد پر علماء یا ہلال کمیٹی نے عید کا فیصلہ کردیا ہو اور اس فیصلے کا اعلان ریڈیو یا ٹی وی پر ہو جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے آس پاس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس اعلان پر عید کرنا بھی درست ہے؛ کیونکہ یہ شہادت نہیں بلکہ شہادت کے بعد علماء نے جو فیصلہ کیا ہے، اس کا اعلان ہے اور اس کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ معتبر و ثقہ لوگ پوری احتیاط کے ساتھ اعلان کریں۔(۱)

اور علماء کا یہ فیصلہ چونکہ وہیں تک نافذ ہوتا ہے جہاں تک ان کو ولایت حاصل ہو، اس لئے جس جگہ کے علماء یا ہلال کمیٹی نے عید کا فیصلہ کیا ہے، یہ فیصلہ انہی حدود تک نافذ ہوگا جہاں تک ان کو ولایت حاصل ہے، ان حدود کے باہر کے لوگوں کے لئے یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

> ''کراچی ریڈیو کی نشر کردہ خبر پر اہل کراچی و متعلقات عید کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ریڈیو نے علماء کا فیصلہ نقل کر کے اعلان کیا ہو، دوسرے شہروں میں اس کی خبر پر عید منانے اور افطار کرنے کی پھر بھی کوئی وجہ نہیں۔''(۲)

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھو جواہر الفقہ: ۱/۴۰۲، ۴۰۳؛ آلاتِ جدید کے شرعی احکام: ۱۸۹، رؤیت ہلال از مولانا میاں صاحبؒ: ۱۰۰

(۲) امداد المفتین: ۴۸۴

ہاں البتہ پورے ملک پر حاوی، ولایت کے مالک قاضی یا کمیٹی کا فیصلہ ریڈیو یا ٹی وی پر نشر کیا جائے تو اس پر پورے ملک کو بھی عید منانا درست ہے۔(۱)

ایک جگہ کی ریڈیائی خبر یا ٹی وی کی اطلاع بہرصورت اسی وقت معتبر ہوگی جبکہ اس جگہ کا مطلع جہاں کہ چاند کی خبر ریڈیو یا ٹی وی سے معلوم ہوئی ہے اور اس جگہ کا مطلع جہاں خبر سنی جارہی ہے، دونوں ایک ہو، اگر مطلع بدل گیا ہو تو پھر محققین کی رائے کے مطابق اس کا اعتبار نہ ہوگا۔(۲)

اگر ریڈیو یا ٹی وی کے ذریعہ مختلف جگہوں سے مختلف لوگوں کے چاند دیکھنے کی اتنی خبریں آجائیں کہ ان سب پر جھوٹ کا گمان نہ ہو سکے مثلاً مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے مختلف مقامات کے لوگوں کا چاند دیکھنا معلوم ہو جائے تو اس قسم کی خبر پر عید بھی کی جا سکتی ہے، اس صورت میں بھی شہادت شرط نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ خبر دینے والے نے خود چاند دیکھا ہو یا یہ بیان کرے کہ میرے سامنے فلاں شخص نے اپنا چاند دیکھنا بیان کیا یا فلاں شہر کی کمیٹی نے چاند کا فیصلہ کر دیا اور اس طرح مختلف مقامات کی خبریں مختلف اسٹیشنوں سے مل جائیں تو عید بھی اس پر کی جا سکتی ہے۔‘‘(۳)

اگر غیر مسلم اعلان کرے تو؟

ریڈیو پر رؤیت ہلال کا اعلان کرنے والا مسلمان ہونا ضروری ہے، اگر چہ کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ از خود چاند کا اعلان نہ کرے، بلکہ علماء کے فیصلہ ہی

(۱) آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام:۱۸۹، رؤیتِ ہلال:۵۰

(۲) آلاتِ جدیدہ:۱۸۹

(۳) تفصیل کے لئے رؤیتِ ہلال:۴۲-۴۳

کوان ہی کے حوالے سے نشر کرے اور وہ اس کی پابندی بھی کرے کہ علماء کی طرف سے جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے، بلا رد و بدل اس کو نشر کرے، تب بھی کسی غیر مسلم کا اعلان کافی نہ ہوگا؛ کیونکہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ دیانات میں کافر کے قول کا اعتبار نہیں ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :"لا يقبل قول الكافرفي الديانات"(کہ کافر کے قول کا دیانات میں کوئی اعتبار نہیں)(۱)

اسی طرح دیگر کتب میں بھی لکھا ہے، لہذا کافر کا اعلان معتبر نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

ٹیلی فون (Telephone) اور وائرلیس (Wireless) کی خبر

رمضان کے چاند کے لئے ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار کیا جا سکتا ہے جبکہ خبر دینے والا شناسا ہو اور اس کی آواز سے اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ یہ فلاں آدمی ہے اور وہ شخص معتبر وثقہ ہو اور اگر آواز سے اس کو پہچانا نہ جاسکا؛ کیوں کہ فون پر ایسا ہوتا ہے کہ آواز سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ کون ہے؟ یا وہ آدمی معتبر وثقہ نہ ہو تو اس کی خبر پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

عید کے چاند کے لئے چونکہ مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں شہادت شرط ہے، اس لئے اس کے ذریعہ موصول ہونے والی خبر عید کے لئے معتبر نہیں ہوگی ، اگر چہ خبر دہندہ کو پہچان لیا جائے اور وہ معتبر بھی ہو اور مطلع ابر آلود بھی ہو، بہر حال یہ خبر معتبر نہ ہوگی۔

مطلع صاف ہونے کی صورت میں رمضان وعید دونوں چاند کے لئے ایک جم غفیر کا دیکھنا شرط ہے۔ اس لئے اگر کسی جگہ ایسی عام رویت ہوئی ہو اور ٹیلی فون کے ذریعہ معتبر آدمی اس کی خبر دے اور اس کی خبر پر چاند ہونے کا یقین یا ظن غالب

---

(۱) عالمگیری: ۳۴۲/۵

حاصل ہوجائے تو عید ورمضان دونوں کے لئے یہ خبر معتبر ہوگی۔

اسی طرح متعدد مقامات سے متعدد لوگوں کے فون ملیں اوران میں کہا گیا ہو کہ میں نے چاند دیکھا ہے یا فلاں شخص نے مجھے بتایا ہے کہ میں نے چاند دیکھا یا فلاں جگہ کی کمیٹی نے میرے سامنے چاند ہونے کا فیصلہ کیا ہے، تو دیکھا جائے کہ متعدد خبریں حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں یا نہیں؟ اگر یہ حد تواتر کو پہنچ کر یقین یا کم ازکم ظن غالب حاصل ہونے کا سبب بنجائیں تو اس پراعتماد کر کے عید ورمضان دونوں کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔(۱)

اوروائرلیس کی خبریں بھی تمام احکامات میں ٹیلی فون کے مشابہ ہیں، جواس کے احکام ہیں وہی وائرلیس کے احکام ہیں۔

ٹیلی گرام (Telegram) پیجر (Pager) اورٹیلیکس (Telex) کی خبر

تار(ٹیلی گرام) کے ذریعہ رؤیت ہلال کی خبر کے سلسلے میں علماء نے زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے کیونکہ اس میں تار دینے والے کی نہ کوئی تحریر ہوتی ہے نہ دستخط ہوتے ہیں، جس سے تار دہندہ کی شناخت ہوسکے۔ پھر تار دینے والے اور تار حاصل کرنے والے کے درمیان عموماً غیر مسلموں کا واسطہ بھی ہوتا ہے؛ اس لئے علماء میں سے بعض نے مطلقاً تار کی خبر کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے ۔چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی نے لکھا ہے:

> ’’بحسب ضوابط فقہیہ مجرد اخبارات تار وغیرہ در باب حکم صوم وافطار معتبر نہیں۔‘‘(۲)

(۱) رؤیت ہلال وآلات جدیدہ:۱۸۹

(۲) مجموعۃ الفتاوی اردو:۱/۴۰۷

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے اولاً بعض شرائط کے ساتھ تار کی خبر کو معتبر قرار دیا تھا پھر بعض ناگفتہ بہ حالات کے سامنے آنے پر ایک فتوی مرقومہ/ ۱۳۲۷ھ میں اس سے رجوع فرما کر اس کو مطلقاً ناقابل اعتبار قرار دیا پھر ایک اور فتوی میں جو اس رجوع کے دو سال بعد/ ۱۳۲۹ھ میں لکھا ہے۔ بعض شرائط کے ساتھ تار کی خبر کو معتبر قرار دیا ہے، اس فتوی سے اور دیگر علماء کے فتاوی سے جو شرائط کی تفصیل حاصل ہوئی ہے، اس کو میں اپنے الفاظ میں مرتب کر کے پیش کرتا ہوں:

تار کی خبر اس وقت معتبر ہوگی جب کہ تار دہندہ شناسا ہو اور معتبر وثقہ ہو۔ (۱)

رمضان کے چاند کی خبر بذریعہ تار آئے اور مطلع صاف نہ ہو بلکہ ابر آلود ہو تو اگر قرائن سے اس کا مصداق معلوم ہو جائے تو اس کا اعتبار ہوگا۔ (۲)

عید کے چاند کی خبر اگر تار سے آئے تو مطلع صاف ہونے کی صورت میں اس کا اعتبار نہ ہوگا اگر صرف دو تین تار ہیں؛ اور اگر تار زیادہ ہیں، مثلاً آٹھ دس ہیں اور ان سے ظن غالب حاصل ہو جائے تو ان کا اعتبار کر کے عید کر سکتے ہیں۔ (۳)

اور اگر مطلع صاف نہ ہو تو عید کے چاند کے لئے دو تین معتبر شناسا لوگوں کے تاروں کا اعتبار کیا جا سکتا ہے جب کہ ظن غالب حاصل ہو جائے۔ (۴)

اور اگر متعدد جگہوں سے مختلف معتبر لوگوں کے تار آئے کہ میں نے چاند دیکھا

---

(۱) امداد الفتاوی: ۲/ ۹۶

(۲) عزیز الفتاوی: ۲/ ۳۷، فتاوی دار العلوم: ۲/ ۳۷۶، فتاوی باقیات: ۱۰۰

(۳) امداد الفتاوی: ۲/ ۹۳

(۴) امداد الفتای: ۲/ ۹۳

ہے یا فلاں نے میرے سامنے اپنا چاند دیکھنا بیان کیا یا فلاں کمیٹی نے اس کو قبول کر کے چاند کا فیصلہ کر دیا ہے تو اگر یہ تواتر کی حد تک پہنچ گئے ہوں تو اس کی بنیاد پر عید و رمضان کا حکم کرنا درست ہے۔(۱)

پیجر اور ٹیلیکس میں بھی چونکہ خبر دینے والے کی کوئی شناخت نہیں ہوسکتی جیسے تار میں نہیں ہوسکتی، اس لئے تمام احکام میں یہ تار کے مشابہ ہیں جو اس کے احکام ہیں، وہی ان کے بھی ہوں گے۔

فیاکس (Fax) کی خبر

دورِ حاضر کی حیرت انگیز ایجادات میں سے ایک فیاکس (FAX) ہے، جس کے ذریعہ فوری طور پر اپنی تحریر کا عکس سیکڑوں اور ہزاروں میل دور تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ اگر کسی نے اس کے ذریعہ چاند کی خبر بھیجی تو اس کا کیا حکم ہے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا حکم وہی ہے جو فقہاء کرام نے خط کا حکم بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر خط سے صاحبِ خط کی شناخت ہو جائے اور اطمینان ہو جائے کہ یہ اسی کا خط ہے اور وہ شخص ثقہ و عادل ہو تو اس پر اعتماد کرنا درست و جائز ہے ۔ چنانچہ دنیوی معاملات میں بھی عام طور پر خط کے ذریعہ کام لیا جاتا ہے۔ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ تجار اور صرّاف کا خط بوجہ عرف جاری کے حجت ہے۔ اسی طرح لوگوں کا آپس کے درمیان خط و کتابت کا جو معاملہ ہوتا ہے یہ بھی معتبر ہے۔ (۲)

غرض جب خط اور تحریر کے ذریعہ اس پر اطمینان ہو جائے کہ یہ فلاں کا خط ہے اور وہ ثقہ بھی ہو تو اس کا اعتبار کرنا درست ہے۔ اور اگر خط سے پہچان نہ سکے یا شبہ رہ

(۱) فتاوی دار العلوم: ۶/ ۳۸۱، ۶/ ۲/ ۳۷۷، آلات جدیدہ: ۱۸۹، رؤیت ہلال: ۴۳

(۲) شامی: ۵/ ۴۳۶

جائے تو چونکہ ایک خط کا دوسرے کے خط سے مشابہ بھی ہوتا ہے لہٰذا اس پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا۔ چنانچہ ''اشباہ'' میں ہے ''لا یعتمد علی الخط'' کہ خط پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔(۱)

مگر یہ اسی صورت میں ہے کہ تحریر پر اعتماد نہ ہوسکے اور صاحبِ تحریر کی شناخت نہ ہوسکے اور اگر تحریر سے صاحبِ تحریر کی شناخت ہوجائے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے تو پھر فقہاءِ کرام کی تصریح کے مطابق اس پر عمل جائز ہے۔

جب یہ خط کا مسئلہ واضح ہوگیا تو اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ فیاکس کی خبر بھی اسی صورت میں قابلِ قبول ہوگی جبکہ خط سے پوری طرح بھیجنے والے کی شناخت ہو جائے۔ ورنہ اس پر عمل کرنا درست نہ ہوگا۔

E-mail کی خبر

E-mail کی خبر کا کیا حکم ہے؟ یہاں اس کا ذکر بھی مناسب ہے، میرے نزدیک اس کا حکم ٹیلی گرام اور ٹیلکس کے مشابہ ہے؛ کیونکہ اس میں بھی بھیجنے والے کی کوئی تحریر نہیں ہوتی جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ یہ کس نے بھیجا ہے، بلکہ ٹیپ شدہ حروف ونقوش ہوتے ہیں، جس کو کوئی بھی ٹیپ کرکے روانہ کرسکتا ہے۔

البتہ اس میں اور ٹیلی گرام وٹیلکس میں ایک فرق ہے، وہ یہ کہ E-mail کے پتہ سے اندازہ لگانا ممکن ہے کہ کس نے بھیجا ہے اور یہ کہ وہ ہمارا شناسا ہے یا نہیں، نیز فوری طور پر اس کی تصدیق حاصل کرنا بھی آسان ہوتا ہے، اس کے برخلاف ٹیلی گرام وٹیلکس میں کوئی علامت ایسی نہیں ہوتی جس سے بھیجنے والے کا اندازہ

(۱) الاشباہ والنظائر: ۲/۳۰۶

لگانا ممکن ہو۔

اس فرق کی وجہ سے E-mail کو خط کے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن جس طرح خط میں یقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فلاں ہی کا خط ہے بلکہ ایک اندازہ سے ہی ہو سکتا ہے؛ کیونکہ فقہاء کرام کے مطابق "الخط یشبہ الخط" (ایک خط دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے)، لہذا یہ امکان رہتا ہے کہ کسی اور کا خط ہو، اسی طرح اس میں بھی پتہ ہونے کے باوجود یہ امکان ہے کہ کسی اور نے اس پتہ سے E-mail کیا ہو؛ کیونکہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ لوگ کسی کا E-mail ID دھوکہ سے معلوم کر لیتے ہیں اور اس کا غلط استعمال کرتے ہیں، تو اس امکان کے ہوتے ہوئے اس پر کلی اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس کی خبر کا حکم یہ ہے کہ جب تک تحقیق نہ ہو کہ یہ کس نے بھیجا ہے، اس پر عمل نہ کیا جائے، اور اگر معلوم ہو جائے تو پھر انہی شرائط کا لحاظ کیا جائے گا جو ٹیلی گرام کے بیان کئے گئے ہیں۔

اخبارات کی خبروں کا حکم

اخبارات کی خبر کا وہی حکم ہے جو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا حکم اوپر مذکور ہوا، مثلاً:

متعدد اخبارات متعدد جگہوں کی رؤیتِ ہلال کی خبر دیں تو وہ خبر متواتر ہے، اس کا اعتبار رمضان وعید دونوں کے لئے کیا جا سکتا ہے۔

مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ صورت بھی استفاضہ میں داخل ہے کہ مختلف شہروں سے مختلف لوگوں کے ذریعے رؤیت ہلال یا حکم بالرؤیت کی خبریں بحد تواتر موصول ہو جائیں، اس میں مختلف شہروں کے اخبار کی

خبریں شامل ہیں، اخبارات کی خبر اگر حد تواتر کو پہنچ کر خبر مستفیض (مشہور) ہوگئی تو اس پر عمل لازم ہے خواہ ہلال رمضان کا قضیہ ہو یا دوسرے اہلہ کا"(۱)

اگر اوپر کی صورت کی طرح خبر مشہور نہ ہو بلکہ ایک دو اخبار نے کسی جگہ کی رؤیت نقل کی ہو تو اگر یہ ثقہ لوگوں کی خبر ہو تو رمضان کے لئے اس پر عمل کرنا درست ہے، عید کے لئے درست نہیں۔ (۲)

موجودہ دور میں عدالت کا معیار

یہ معلوم ہے کہ بعض صورتوں میں چاند کا ثبوت عادل آدمی کی خبر پر اور بعض صورتوں میں شہادت پر رکھا گیا ہے اور شہادت کے لئے بھی عدالت کی شرط ہے، ان مواقع پر فاسق و فاجر کی خبر و گواہی معتبر نہیں، مگر موجودہ دور میں ظاہری ترقی نے روحانیت و انسانیت کو جو تنزل کا تحفہ دیا ہے، اس نے ایک سوال یہ بھی پیدا کر دیا ہے کہ اب اگر چاند کے ثبوت کے لئے عدالت و شہادت کو ضروری قرار دیا جائے تو اکثر و بیشتر گواہیاں اور خبریں غیر معتبر قرار پائیں گی؛ کیونکہ عدالت و ثقاہت سے متصف لوگ بہت کم ہیں، اب اس سلسلے میں عدالت کی شرط لگا کر لوگوں کی گواہی و خبر کو غیر معتبر قرار دیا جائے یا شرط عدالت میں کوئی ترمیم کی جائے گی؟

مگر حضراتِ فقہاء نے اس سلسلے میں جس قدر عدالت کو شرط قرار دیا ہے اس کے پیش نظر موجودہ دور میں بھی عدالت کی تعریف میں کسی ترمیم کی ضرورت نہیں۔

---

(۱) امداد المفتین: ۴۸۸

(۲) امداد المفتین: ۴۸۸

علامہ شامی رحمہ اللہ نے عدالت کی تعریف یہ بیان کی ہے:

"العدالة : أن يكون مجتنباً للكبائر ، ولا يكون مصرًّا على الصغائر ، ويكون صلاحه أكثرَ من فساده ، وصوابُه أكثر من خطأه۔"(۱)

(عدالت یہ ہے کہ وہ شخص کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو اور اس کی اچھائی اس کی برائی سے اور اس کی درستی اس کی خطا سے زیادہ ہو۔)

اور اسی تعریف کو صاحبِ درِمختار نے اختیار کیا ہے، اور علامہ ابن ہمام نے اس تعریف کو حسن قرار دیا ہے۔

علامہ شامی نے کتاب الصوم میں زیرِ بحث مسئلہ ہی میں عدالت کی تعریف یہ کی ہے کہ: عدالت ایک ملکہ ہے جو تقوے اور مروت کو لازم پکڑنے پر ابھارتا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ شرط اس کا ادنیٰ مرتبہ ہے اور وہ کبائر اور اصرار علی الصغائر کا ترک ہے اور مروت کے خلاف کاموں کا چھوڑ دینا ہے۔(۲)

پھر یہ عدالت کا ادنیٰ مرتبہ بھی خبر و گواہی دینے والے کی صرف ظاہری حالت پر رکھا گیا ہے کہ بظاہر اگر نیک آدمی ہے تو یہی بات کافی ہے۔

---

(۱) درمختار مع شامی: ۸/۱۷۸

(۲) "فقال : العدالة ملكة تحمل على ملازمة التقوى والمروءة ، والشرط أدناها وهو ترك الكبائر والإصرار على الصغائر و ما يخل بالمروءة"۔ (شامی: ۳/۳۵۲)

چنانچہ علامہ شامی اپنے رسالے ''تنبیہ الغافل والوسنان'' میں جو انہوں نے رؤیتِ ہلال کے مسئلہ پر ہی لکھا ہے، فرماتے ہیں:

''والشرع اکتفی بالعدالة الظاهرة ، و فوّض الباطن إلی العالم بالسرائر۔''

(اور شریعت نے ظاہری عدالت کو کافی قرار دیا ہے اور باطن کو اللہ کی طرف سپرد کر دیا ہے جو پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے۔(۱)

الغرض موجودہ دور میں اگر چہ فسق ظاہر ہے؛ لیکن ایسے لوگوں کا وجود، جن کو مذکورہ تعریف پر عادل کہا جائے، ناپید و نادر نہیں ہے، اس لئے عدالت کی تعریف میں ترمیم کا سوال ، نا قابلِ التفات ہے، اسی لئے حضرت مفتی عزیز الرحمان صاحب نے ''فتاویٰ دار العلوم'' میں اس سلسلے میں کسی بھی ترمیم کی گنجائش نہیں دی ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ: عدل کی وہی تفسیر اب بھی ہے، جو فقہاء نے لکھی ہے، وہی معتبر ہے۔ اختلاف عصر سے عدالت کی تعریف میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جس جگہ فقہاء نے عدالت شرط کی ہے، وہاں ایسی ہی عدالت کی ضرورت ہے۔ اور جہاں مستور کی گواہی بھی کافی ہے، جیسے روزہ رکھنے میں اور اثبات رمضانیت میں، وہاں ثبوت عدالت کی ضرورت نہیں؛ مگر فسق بھی ظاہر نہ ہو۔(۲)

ہاں بعض اوقات اس سلسلے میں پریشانی لاحق ہو سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ کسی علاقہ میں کسی وقت فسق کی کثرت کے باعث ہو سکتا ہے کہ عام معاملات کی شہادت

---

(۱) مجموع رسائل ابن عابدین:۱/۲۳۶

(۲) فتاویٰ دار العلوم:۶/۳۵۰

میں ایسے ہی لوگ سامنے آئیں جو شرعی اصول کے لحاظ سے مردود الشہادت و فاسق ہوں مثلاً ڈاڑھی منڈانے یا کٹانے کے عادی لوگ ٹخنے کے نیچے پاجامہ یا پتلون پہننے کے عادی لوگ وغیرہ، تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ یہ لوگ جھوٹ کے عادی نہیں تو ان کی بات معتبر مانی جائے گی؛ کیونکہ شریعت میں فاسق کی خبر یا شہادت کو رد کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ اس کی بات کی تحقیق کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''رؤیتِ ہلال'' میں فقہ کی مشہور کتاب ''معین الاحکام'' کے حوالہ سے اس کو نقل کر کے لکھا ہے کہ: ''معین الاحکام'' میں اس کو صواب اور معمول بہ قرار دیا ہے۔(۱)

چاند پر رہنے والوں کے لیے رؤیتِ ہلال کا مسئلہ

چاند پر اگرچہ ابھی تک آبادی نہیں ہوئی ہے۔ تاہم اہلِ سائنس کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چاند پر آبادی کے سلسلے میں بہت ہی پر امید ہیں اور قریب میں یہ انکشاف بھی ہوا ہے کہ چاند میں برف موجود ہے جو علامت ہے اس کی کہ وہاں پانی پایا جاتا ہے، اہلِ تحقیق نے اس کی بنا پر پیش گوئی کی ہے کہ چاند پر آبادی جلد متوقع ہے۔

اس صورت پر ذہنوں میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر وہاں آبادی ہوگی تو چاند والوں کے لئے ''رؤیتِ ہلال'' کا کیا مسئلہ ہوگا؛ کیونکہ جب وہ لوگ خود ہلال یعنی چاند میں ہیں تو وہ کیا دیکھ کر رمضان و عید کریں گے؟

احقر نے اس سلسلے میں بعض علماء سے تحقیق کی اور مختلف جوابات ملے؛ حضرت

(۱) رؤیتِ ہلال: ۳۷

فقیہ الملت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے بندہ نے ایک مجلس میں سوال کیا تو فرمایا کہ: جب وہاں آبادی ہی نہیں تو جواب کی کیا ضرورت ہے؟ بعض علماء نے جواب میں فرمایا کہ: چاند والے زمین کو دیکھ کر رمضان وعید کریں گے؛ کیونکہ چاند پر زمین چاند کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم نے درسِ حدیث کی تقریر میں یہ بیان فرمایا، جب کہ بندہ ایک موقع پر حاضر ہوا تھا۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ: چاند والے، زمین والوں کی اتباع کریں گے اور ظاہر ہے کہ چاند پر رہنے والے دیگر معاملات میں بھی زمین والوں کے تابع ہوں گے تو اس میں بھی وہ اہلِ زمین کی اتباع کریں گے۔ راقم نے حضرت مولانا احمد رضا بجنوری دامت برکاتہم شارح بخاری سے بذریعہ خط کے اس سلسلے میں سوال کیا تو یہی جواب دیا، اور احقر کا رجحان بھی اسی کی طرف ہے؛ کیونکہ حدیث میں ''چاند'' دیکھنے پر روزہ وافطار کا مدار رکھا ہے۔ اب چاند کے قائم مقام زمین کو قرار دینا کسی دلیل سے ہی ہوسکتا ہے۔ (ولم یوجد)

لہٰذا چاند والوں کے لئے بھی چاند ہی کی رؤیت پر مدار ہوگا، البتہ وہ خود نہ دیکھ سکیں تو اہلِ زمین کا اتباع کریں گے۔ (واللہ اعلم)

ابر آلود مطلع والے علاقوں کا حکم

جن علاقوں میں بالعموم مطلع ابر آلود رہتا ہے اور بہت کم چاند کی رؤیت ۲۹/ تاریخ کو ممکن ہوتی ہے، ایسی جگہوں پر ہمیشہ ۳۰/ دن کا مہینہ شمار کر کے رمضان وعیدین کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں، بلکہ ایسے علاقوں میں ان کے قریب کے علاقوں کی رؤیت کا اعتبار کرنا چاہئے، جبکہ مطلع دونوں کا ایک ہو، ہمیشہ تیس دن کا اعتبار

کرنا اور اس کے قرب و جوار کے متحد المطلع علاقوں کی رؤیت کا اعتبار نہ کرنا صحیح نہیں، اسی طرح محض ماہرین فلکیات کا قول بھی اس بارے میں معتبر نہ ہوگا۔

ہندوستان میں سعودی عرب کے مطابق رمضان وعید

ایک علمی وفقہی تبصرہ

عام طور پر رمضان وعید کے چاند میں ہمارے ہندوستان میں نیز بعض اور ممالک میں اور سعودی عرب میں ایک یا دو دن کا اختلاف ہوتا ہے، اس موقعہ پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب سعودی میں چاند نظر آ گیا تو سب کو اسی کا اتباع کرنا چاہئے۔ اور بعض لوگ ایسا کرتے بھی ہیں کہ سعودی چاند کے حساب سے ہی یہاں روزے رکھتے اور عید مناتے ہیں۔ ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک لندن، امریکہ وغیرہ بعض اور ممالک میں بھی یہی اختلاف لوگوں میں دیکھنے وسننے کو ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں کیا صحیح ہے؟ اور جو لوگ سعودی عرب کی اتباع کرتے ہیں ان کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ احقر کے پاس ایک صاحب کا اس سلسلہ میں سوال آیا تو اس کا جواب احقر نے لکھا اور وہ مسئلہ کی صورت حال کی وجہ سے ذرا تفصیلی لکھا گیا۔ یہاں اسی جواب کو پیش کیا جارہا ہے۔

سب سے پہلے ایک بات یہ سمجھ لیں کہ اہل علم میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ ایک جگہ چاند نظر آ جائے تو دوسرے تمام مسلمانوں پر اس کا اتباع لازم ہے یا نہیں اس میں متعدد اقوال ہیں، اور اس میں اکثر علماء کا مختار ومعتمد قول یہ ہے کہ اختلاف مطالع کی وجہ سے ایک جگہ کا چاند لازمی طور پر دوسری جگہ کے لئے قابل قبول نہیں ہوتا، کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ چاند کے مطالع میں علاقے کے لحاظ سے اختلاف ہوتا

ہے،لہٰذا یہاں کے لوگ یہاں کے مطلع کا اور وہاں کے لوگ وہاں کے مطلع کا اعتبار کریں۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے بھی اسی رائے ونظریے کو اختیار کیا ہے۔ نیز المجمع الفقہی الاسلامی (جدہ) نے بھی اپنی قرار داد میں اسی کی تائید کی ہے، جیسا کہ ہم نقل کریں گے۔ اس پر تفصیلی کلام ہماری کتاب ''نفائس الفقہ'' میں دیکھئے۔ تاہم ایک نقطۂ نظر کے مطابق یہ گنجائش ہے کہ کوئی سعودی عرب کا اتباع کرلے۔ مگر یہاں جس اہم پہلو پر توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک ایسی بستی میں ہو جہاں اہل علم کی کمیٹی ہو اور وہ رؤیت ہلال کے بارے میں جانکاری لیتی ہو اور سب کے لئے ایک لائحہ سناتی ہو، اور وہاں کے مسلمان اس کمیٹی کے فیصلوں کا اعتبار کرتے ہوئے روزہ وعید کرتے ہوں، ایسی جگہ میں کسی کا یہ نعرہ لگانا کہ سعودی میں جو فیصلہ ہوا ہم اس کی اتباع کرتے ہیں، اور وہی قابل اتباع ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ کہنے والے سعودی کے علاوہ میں اگر چاند پہلے ہو تو اس کو ماننے تیار نہیں ہوتے، حالانکہ اسلام میں سعودی کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں، اور نہ کسی امام کا مسلک ہے کہ صرف سعودی کے چاند کا اعتبار ہے، دوسرے اس لئے کہ اس سے امت میں انتشار واختلاف پیدا ہوتا ہے، جو کہ صحیح نہیں۔

یہاں ہم اس سلسلہ کے چند اہم فیصلے وفتاوی نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، تا کہ بات واضح ہو جائے۔ سب سے پہلے ہم سعودی عرب کے بڑے بڑے علماء کی مجلس کا متفقہ فیصلہ نقل کرتے ہیں جس کو'' مجلس هيئة كبار العلماء'' کہا جاتا ہے، اس مجلس نے جو فیصلہ کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''چاند کے مطلع میں اختلاف کا ہونا ان امور میں سے ہے جو حساً وعقلاً معلوم ہیں اور اس میں کسی بھی عالم کا اختلاف نہیں ہاں اس میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں ہے؟ اور

اختلاف مطالع کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ ان نظری مسائل میں سے ہے جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ اور اس میں ان حضرات کی جانب سے اختلاف ہوا ہے جن کو علم و دین میں ایک شان حاصل ہے اور یہ وہ جائز اختلاف ہے جس پر حق کو پا جانے والے کو دو اجر ایک اجتہاد کا اور ایک حق کو پانے کا ملے گا اور خطا کرنے والے کو ایک اجر ملے گا۔......................پس اس دین پر چودہ صدیاں گزر گئیں جس میں سے کبھی بھی ایک ہی رویت پر پوری امت اسلامیہ کا اتحاد ہوا ہو یہ ہم نہیں جانتے۔ لہذا اکبار علماء کی اس مجلس کا نظریہ یہی ہے کہ اس مسئلہ کو اپنی سابقہ حالت پر رہنے دیا جائے۔ اور اس موضوع کو نہ چھیڑا جائے اور یہ کہ ہر ملک کے لوگوں کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنے علماء کے واسطے سے ان میں سے جس رائے کو چاہیں اختیار کریں۔(۱)

اس اصولی بحث کے بعد خاص زیر بحث صورت کے بارے میں بھی علماء عرب کے فتاوی ملاحظہ کیجئے کہ وہ کیا فرماتے ہیں؟ سعودی عرب کے معروف عالم دین اور وہاں کے مفتی اعظم علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز علیہ الرحمہ کا فتوی نقل کرتا ہوں جو اس سلسلہ میں نہایت واضح و بصیرت افروز ہے، اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ:

"الذي يظهر لنا من حكم الشرع المطهر أن الواجب عليكم الصوم مع المسلمين لديكم ؛ لأمرين: أحدهما : قول النبي صلى الله عليه وسلم : (الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والأضحى يوم تضحون) خرجه أبو داود وغيره

(۱) بحوالہ فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: ۱۰/۱۰۹-۱۱۱

باسناد حسن ، فأنت و اخوانك مدة وجودكم في الباكستان ينبغي أن يكون صومكم معهم حين يصومون ، و افطاركم معهم حين يفطرون، لأنكم داخلون في هذا الخطاب ، و لأن الروية تختلف بحسب اختلاف المطالع ، و قد ذهب جمع من أهل العلم منهم ابن عباس الى أن لأهل كل بلدة رؤيتهم ۔ الأمر الثاني : أن في مخالفتكم المسلمين لديكم في الصوم والافطار تشويشاً و دعوةً للتساؤل والاستنكار واثارةً للنزاع والخصام ، والشريعة الاسلامية الكاملة جاء ت بالحث على الاتفاق والوئام والتعاون على البر والتقوى ، و ترك النزاع والخلاف الخ "۔(۱)

(اس سلسلہ میں پاکیزہ شریعت کا جو حکم ہمارے سامنے واضح ہوا وہ یہ ہے کہ آپ پر اپنے یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ روزہ رکھنا واجب ہے ،اس کی دو وجوہ ہیں: ایک یہ کہ اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ : ''روزہ اس دن ہے جس دن تم (مسلمان)روزہ رکھو اور افطار یعنی عید اس دن ہے جس دن تم مسلمان افطار کرو اور قربانی اس دن ہے جس دن تم قربانی کرو'' اس حدیث کو ابو داود وغیرہ نے سند حسن سے روایت کیا ہے۔لہذا آپ اور آپ کے بھائی جب تک پاکستان میں ہیں آپ پر ضروری ہے کہ وہاں کے مسلمان جب روزہ رکھیں اس وقت ان کے ساتھ روزہ رکھیں اور وہ

(۱) مجموعہ فتاوی ابن باز: ۱۵/۱۰۳-۱۰۴

جب افطار (یعنی عید) کریں اس وقت ان کے ساتھ افطار کریں، کیونکہ آپ بھی اس خطاب میں داخل ہیں، اور اس لئے بھی کہ اختلاف مطالع کی وجہ سے رؤیت میں بھی اختلاف ہوتا ہے، اور علماء کی ایک جماعت جن میں ابن عباس بھی ہیں اس طرف گئی ہے کہ ہر بستی والوں کے لئے ان کی اپنی رویت کا اعتبار ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمہارا وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ روزہ و افطار میں اختلاف کرنا تشویش وانتشار اور سوال جواب کے سلسلہ کی دعوت اور نزاع واختلاف کو بھڑکانے کا باعث ہے جبکہ اسلامی شریعت کاملہ اتفاق واتحاد اور ایک دوسرے سے تقوی ونیکی میں تعاون پر ابھارتی ہے اور ترک اختلاف کی تعلیم دیتی ہے)

شیخ بن باز نے اسی سلسلہ کے ایک سوال کے جواب میں ایک اور فتوے میں لکھا ہے کہ:

"على المسلم أن يصوم مع الدولة التي هو فيها و يفطر معها لقول النبي ﷺ (الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والأضحى يوم تضحون) والله أعلم۔"(۱)

(مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس ملک کے لوگوں کے ساتھ روزہ رکھے اور افطار کرے جس میں وہ رہتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: روزہ اس دن ہوگا جس میں تم روزہ رکھو اور افطار اس دن جس میں تم افطار کرو اور قربانی اس دن جس میں تم

---

(۱) فتاوی شیخ ابن باز: ۳/۱۷۵

قربانی کرو، واللہ اعلم)

اور معروف عربی عالم و مفتی علامہ شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ نے اپنے بعض فتاوی میں اگر چہ اس کی اجازت دی ہے کہ علماء کے ایک نظریہ کے مطابق کوئی چاہے تو مملکت سعودیہ کی اتباع کرسکتا ہے، تاہم ہم نے جہاں اختلاف و انتشار پیدا ہونے کا خطرہ محسوس کیا تو اس سے منع کیا ہے اور یہی کہا ہے کہ ہر علاقے کے لوگوں کو اپنے یہاں کے لوگوں کے ساتھ ہی روزہ و عید کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں ان کے ایک دو فتاوی ملاحظہ کیجئے۔ ان سے کسی نے سوال کیا ہے کہ:

''ہم فلاں ....ملک میں خادم الحرمین کی جانب سے سفیر ہیں، یہاں ہمیں رمضان المبارک کے روزوں اور عرفہ کے روزے کے بارے میں پریشانی ہے۔ اس بارے میں ہمارے ساتھی تین قسم کے ہیں: ایک وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم مملکت سعودیہ کے ساتھ روزہ رکھیں گے اور افطار یعنی عید بھی کریں گے، دوسرے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم جس ملک میں ہیں وہاں کے مطابق روزہ و عید کریں گے، اور تیسرے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم روزہ تو اس ملک کے مطابق رکھیں گے اور یوم عرفہ سعودی کے مطابق مانیں گے۔ آپ اس میں شافی جواب سے رہنمائی کریں۔

اس سوال کے جواب میں علامہ العثیمین نے لکھا کہ:

''ایک ملک میں چاند نظر آئے اور دوسرے میں نہ دکھائی دے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا تمام مسلمانوں پر اس پر عمل لازم ہے یا صرف ان پر جنھوں نے دیکھا اور جو ان کے مطلع میں ان

کے موافق ہیں، یا صرف ان پر جو ایک ولایت کے تحت رہتے ہیں، اس میں متعدد اقوال ہیں۔ اور اس میں راجح قول یہ ہے کہ اگر دو ملکوں کا مطلع ایک ہو تو وہ ایک مانا جائے گا لہذا ان میں سے ایک جگہ چاند دکھائی دے تو دوسرے ملک میں بھی اس کا حکم ثابت ہوگا، لیکن اگر مطلع میں اختلاف ہو تو ہر ملک کا الگ حکم ہوگا........(پھر اس کے دلائل ذکر کر کے فرماتے ہیں)........اس بنا پر تم لوگ روزہ رکھو اور افطار کرو جس طرح کہ اس ملک کے لوگ کرتے ہیں جس میں تم لوگ ہیں، خواہ وہ تمہارے اصل وطن (سعودی عرب) کے موافق ہو یا اس کے خلاف ہو۔(۱)

اسی طرح شیخ العثیمین نے اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ:

"مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کے کلمہ ایک ہو اور وہ اللہ کے دین میں تفرقہ نہ ڈالیں، اور یہ کہ ان کا روزہ اور ان کی عید بھی متحد ہو اور وہ اپنے یہاں کے دینی مرکز کی اتباع کریں، اور وہ اختلاف نہ کریں حتی کہ اگر ان کے یہاں روزہ سعودی مملکت یا کسی اور اسلامی ملک کے لحاظ سے بعد ہی میں کیوں نہ ہو، بہر حال وہ اپنے مرکز کا اتباع کریں۔(۲)

سعودی عرب کے مشہور دار الافتاء "اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء" کے فتاوی میں بھی یہی بات کہی گئی ہے، ایک سوال اس کے مفتیان سے کیا گیا ہے کہ:

---

(۱) فتاوی شیخ العثیمین: ۱۷/ ۳۹-۴۱

(۲) فتاوی العثیمین: ۱۷/ ۵۲

''ہم ریڈیو سے سعودیہ میں چاند ہو جانے کی خبر سنتے ہیں، جبکہ ہمارے یہاں چاند نظر نہیں آتا، تو بعض لوگ اس پر روزہ رکھ لیتے ہیں اور اکثر لوگ انتظار کرتے ہیں، اس سے بہت سخت اختلاف پیدا ہو گیا ہے، لہذا اس سلسلہ میں فتوی دیں؟ اس کے جواب میں فتوے میں اولا اختلاف مطالع کا ذکر اور اس میں ائمہ کے مسالک کا ذکر کیا گیا ہے، پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ جب ریڈیو یا کسی اور ذریعہ سے اپنے علاقے کے مطلع کے علاوہ کسی اور جگہ چاند ہو جانے کا ثبوت ہو تو آپ لوگوں پر لازم ہے کہ روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا معاملہ وہاں کے حاکم کے حوالے کر دیں۔(۱)

اسی طرح ایک اور فتوے میں لکھتے ہیں کہ اگر اختلاف ہو تو وہاں اگر مسلمان حاکم ہو تو اس کا فیصلہ لیں اور اگر مسلمان نہ ہو تو وہاں کے مرکز اسلامی کی مجلس کا فیصلہ مانیں تاکہ اس ملک کے مسلمانوں کا روزہ و عید میں اتحاد باقی رہے۔(۲)

اور سعودی عرب کے ہی ایک اور معروف عالم علامہ شیخ صالح بن فوزان سے سوال کیا گیا کہ:

''اگر کسی اسلامی مملکت مثلا سعودی میں رمضان کے آنے کا ثبوت ہو جائے اور دوسرے ممالک میں اس کے آنے کا اعلان نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ کیا ہم سعودیہ کے مطابق روزہ رکھیں؟ اور دونوں ممالک میں اختلاف ہو تو کیا حکم ہے؟

---

(۱) فتاوی اللجنۃ الدائمہ: ۱۰/ ۹۷-۹۸

(۲) فتاوی اللجنۃ الدائمہ: ۱۰/ ۱۰۱-۱۰۲

شیخ صالح بن فوزان نے اس کا جواب یہ دیا کہ:

''ہر مسلمان اپنے ملک میں موجود مسلمانوں کے ساتھ روزہ وافطار کرے، اور مسلمانوں پر اپنے علاقے میں رؤیت کا اہتمام کرنا لازم ہے اور وہ لوگ دوسرے ایسے علاقے کی رؤیت پر روزہ نہ رکھیں جو دوری پر واقع ہو، کیونکہ مطالع مختلف ہیں، اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ کچھ مسلمان کسی غیر اسلامی ملک میں ہیں اور وہاں مسلمان نہیں ہیں جو رؤیت کا اہتمام کریں تو وہ لوگ سعودیہ کے ساتھ روزہ رکھیں تو کوئی حرج نہیں''۔(۱)

یہ علماء عرب میں سے معروف اصحاب افتاء کے چند فتاوے ہیں جن سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو یہاں یا کہیں اور رہتے ہوئے سعودی عرب کے چاند پر رمضان وعید کرتے ہیں۔لہذا ان کو اس طرح کی غلطی سے باز آنا چاہئے اور مسلمانوں میں اختلاف وانتشار پھیلانے سے احتراز کرنا چاہئے۔

رؤیت ہلال کمیٹی اگر فتوے کے خلاف کرے تو؟

رؤیت ہلال کمیٹی میں کوئی شخص دینی علم رکھنے والا نہ ہو اور اگر ہو بھی تو اس کی رائے غلبۂ آراء میں دب کر رہ جائے اور مفتی کے فتوے کے خلاف شہر کی رؤیت ہلال کمیٹی اپنا حکم نافذ کرنا چاہے تو کیا کرنا چاہئے:

اس کا جواب یہ کہ رؤیت ہلال کمیٹی کو مفتی کے فتوی کے ماتحت رہنا اور کام کرنا ضروری ہے، ورنہ وہ کمیٹی شرعاً معتبر نہیں ہوگی، اور اس کے اعلانات شرعی

---

(۱) المنتقی: ۱۲۴/۳

اعلانات نہ ہوں گے، ان پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی، جو کمیٹی عالم دین کی بات جبکہ وہ شرعی دلیل کے ساتھ ہو تسلیم نہ کرے تو عالم دین کو کمیٹی سے علیحدہ ہو کر اعلان کر دینا چاہئے، کہ یہ لوگ حکم شرعی تسلیم نہیں کرتے ہیں، اور اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، ان کی رائے شرعاً معتبر نہیں، میں ان سے علیحدہ ہوتا ہوں۔(۱)

رمضان کا چاند اور ریڈیو پاکستان کی ایک دلچسپ غلطی

کراچی ۱۰/ مارچ (بذریعہ ڈاک) ریڈیو پاکستان کراچی نے اپنی دانستہ غلطی سے کراچی کے باشندوں کو الجھن میں ڈال دیا ہے، بتایا گیا ہے کہ مولانا احتشام الحق تھانوی نے رمضان کا چاند نظر آنے کی صورت میں ریڈیو پاکستان سے نشر کرنے کے لئے اپنی تقریر ریکارڈ کرائی تھی، آج چاند نظر آنے کی امید تھی لیکن نظر نہیں آیا، ادھر ریڈیو پاکستان کے ذمہ داروں نے سمجھا کہ چاند نکل آیا ہے، چنانچہ اس غلط فہمی کے نتیجہ میں انہوں نے مذکورہ بالا تقریر کا ریکارڈ نشر کر دیا، جس میں مولانا نے کراچی کے باشندوں کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ ماہ رمضان شروع ہو گیا ہے، بعد میں ریڈیو پاکستان نے اپنی غلطی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے معذرت چاہی۔(۲)

---

(۱) فتاوی محمودیہ: ۱۵/ ۶۰

(۲) اخبار روزنامۂ سیاست کان پور ۱۸/ مارچ ۵۹ء مطابق ۸/ رمضان ۷۸ھ بحوالۂ فتاوی محمودیہ: ۱۵/ ۱۱۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روزہ

سائرن (Siren) توپ وغیرہ کی آواز پر سحری وافطار

سحری یا افطار کے وقت کو بتانے کے لئے آج کل سائرن اور توپ کو استعمال کیا جاتا ہے اور لوگ اس پر اعتماد کر کے سحری اور افطار کرتے ہیں، یہ درست اور جائز ہے توپ اور طبل کی آواز پر اعتماد کو فقہاء کرام نے صراحۃً جائز قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عادل آدمی کے قول پر سحری کرنا درست ہے، اسی طرح طبل پر۔(۱)

اسی طرح توپ کی آواز پر اعتماد کو بھی درست لکھا ہے۔(۲)

مگر اس سلسلے میں علامہ شامی رحمہ اللہ کے کلام سے بعض شرائط مستفاد ہوتی ہیں، ان کو دھیان میں رکھنا ضروری ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

”إن المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن وإن كان

---

(۱)**فقال الشامي**: يتسحر بقول عدل ، وكذا بضرب الطبول۔

(شامی:۳/۳۸۳)

(۲)**فقال**: لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل ......لم يكفروا۔

(شامی:۳/۳۸۳)

ضاربه فاسقاً ، لأن العادة أن الموقت يذهب إلى دار الحكم آخر النهار فيعيّن له وقت ضربه ويعيّنه أيضاً للوزير وغيره ، وإذا ضربه يكون ذالك بمراقبة الوزير و أعوانه للوقت المعيّن فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطأ و عدم قصد الفساد۔"

ہمارے زمانے میں توپ سے ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے اگر چہ اس کا اڑانے والا فاسق ہو؛ کیونکہ توپ کو مقرر کرنے والا (حاکم یا قاضی امیر وغیرہ) دن کے آخر (افطار کے قریب) دار الحکم جا کر توپ اڑانے والے کو اس کا وقت بتاتا ہے اور پھر اس کے لئے وزیر وغیرہ کو بھی مقرر کرتا ہے اور جب وہ اڑاتا ہے تو یہ وزیر اور اس کے اعوان و انصار کے سامنے ہوتا ہے اور وقتِ مقررہ پر ہوتا ہے، پس ان قرائن سے ظن غالب حاصل ہوتا ہے کہ یہاں خطا و غلطی یا فساد کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔(۱)

اس میں علامہ شامی رحمۃ اللہ جن قرائن کی بنیاد پر اس زمانے کے توپ سے غلبۂ ظن کا حاصل ہوجانا مان کر، اس پر افطار کی اجازت دے رہے ہیں ان سے ہم بھی استفادہ کر سکتے ہیں، سائرن میں بھی اور دیگر اس طرح کی چیزوں میں بھی۔ ایک شرط تو یہ ہے کہ کسی اچھے دین دار آدمی کی طرف سے اس کا انتظام ہو، اگر چہ بجانے والا دین دار نہ ہو دوسرے یہ کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ اس کا منتظم کسی کو اس کے بجانے پر مقرر کیا ہوا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کے لئے وقتِ مقررہ پر بجانے کی شرط ہو

(۱) در مختار مع شامی: ۳/۳۸۳

چوتھے یہ کہ بجانے والا منتظم یا اس کی طرف سے مقرر کردہ اچھے آدمی کے سامنے بجائے، لہٰذا اگر کہیں سے آواز آئی اور ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ آواز کیوں اور کس لئے بجائی جارہی ہے تو اس پر روزہ افطار درست نہ ہوگا۔ اسی طرح ہم کو اگر یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا باقاعدہ انتظام ہے تو بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اسی پر مسجد کے موذن کی آواز کو بھی قیاس کرنا چاہئے اور چونکہ ہمارے ان علاقوں میں اکثر اس قسم کا انتظام ہوتا ہے، اس لئے اس پر اعتماد درست ہے۔

سائرن (Siren) توپ کی آواز، قمقموں کی روشنی پر رمضان وعید

بعض جگہ رمضان کی آمد یا عید کے اعلان کے طور پر سائرن یا توپ یا لائٹ استعمال کئے جاتے ہیں کہ لوگ سائرن اور توپ کی آواز سے اور روشنی دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ رمضان یا عید کا چاند نظر آ گیا ہے۔ فقہاء کے کلام سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے علامہ شامی رحمہ اللہ کی ایک عبارت جس میں کہا گیا ہے کہ دیہات والوں کو قندیل وغیرہ دیکھ کر روزہ رکھ لینا ضروری ہے۔ نقل کر کے فرماتے ہیں:

> ”درست ہوگا (یعنی توپ کی آواز پر عید کرنا) اس وجہ سے کہ توپیں چلنا موافق عادت شائعہ کے موجبِ ظن عید ہونے کے ہے اور غلبۂ ظن عمل کے واسطے کافی ہے“۔(۱)

توپ کی طرح اس زمانے میں سائرن کی آواز اور بلب کی روشنی سے بھی ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے کہ چاند ہوگیا، لہٰذا اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے مگر یہ صرف

---

(۱) مجموعۃ الفتاوی: ۱/ ۳۹۵

وہاں کے لئے حکم ہے جہاں اس طرح کا رواج ہو، ورنہ یہ حکم نہ ہوگا۔

طویل الاوقات علاقوں میں روزہ کے اوقات

انسانی آبادی کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے اب ان علاقوں اور خطوں کو بھی آباد کردیا ہے جو برس ہا برس تک غیر آباد تھے اور لوگ وہاں ہونے کو ہلاکت و بربادی کا سبب قرار دیتے تھے، چنانچہ اب بعض ایسے علاقے بھی آباد ہو چکے ہیں جہاں کئی کئی ماہ تک سورج طلوع نہیں ہوتا یا غروب نہیں ہوتا، ایسے لوگوں کے لئے جو وہاں آباد ہیں، روزے کے کیا اوقات ہوں گے؟ یہ سوال بہت اہمیت کا حامل ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ طویل الاوقات علاقے دو قسم کے ہیں: ایک وہ جہاں دن ورات کا مجموعہ چوبیس گھنٹوں کا ہوتا ہے، اگر چہ دن ورات کے اوقات میں تناسب نہ ہو بلکہ فاحش فرق ہو، جیسے لندن (London) برطانیہ (Britain) کا گرمی کے موسم میں دن بہت بڑا ہوتا ہے یعنی ۱۷/ یا ۱۸/ گھنٹے کا دن ہوتا ہے، ایسے علاقوں میں روزہ اسی حساب سے رکھنا چاہئے جیسے عام علاقوں میں رکھتے ہیں کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک؛ کیونکہ ایسے علاقوں میں رہنے والوں کو اس کی عادت ومشق بھی ہوتی ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔(۱)

---

(۱) چنانچہ حضرت رحمہ اللہ اس سلسلہ میں طویل کلام فرما کر لکھتے ہیں کہ:

”جس جگہ نہار کا طول بقدر تحمل صوم ہو اور فطرۃً ان کا تحمل ہم سے زائد ہو -- لأنهم معتادون بطول النهار، وطول أكثر الأعمال فيه -- وہاں روزہ رکھیں۔

(امداد الفتاویٰ: ۱/۵۰۴)

البتہ کمزور افراد کو اس کی برداشت نہ ہوسکے تو ان کے لئے یہ اجازت ہوسکتی ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں مثلاً سردی کے دنوں میں قضا رکھ لیں، جیسا کہ مریض لوگوں کو اس کی اجازت ہے۔(۱)

دوسرے وہ علاقے جن کا شروع میں ذکر کیا گیا ہے کہ دن ورات کا مجموعہ کئی کئی مہینوں کا ہو، ان کا حکم یہ ہے کہ وہاں اندازہ کر کے مہینہ کا اور پھر دن ورات کے اوقات کا تعین کرلیں اور اسی اندازے کے مطابق روزے پورے کریں، علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قال في "إمداد الفتاح" قلت:وكذالك يقدر لجميع الآجال كالصوم و الزكو ة والحج والعدة وآجال بيع السلم و الإجارة و ينظر ابتداء اليوم فيقدر كل فصل من الفصول الأربعة بحسب ما يكون كل يوم من النقص و الزيادة ، كذا في كتب الأئمة الشافعية ، و نحن نقول بمثله ، إذ أصل التقدير مقول به إجماعاً في الصلوات"۔(۲)

(امداد الفتاح میں لکھا ہے کہ اسی طرح تمام مدتوں کو اندازے سے مقرر کیا جائے گا جیسے روزہ، زکوۃ، حج اور عدت کی مدتیں، بیع

(۱) حضرت تھانوی کا رجحان بھی اسی جانب ہے۔چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ: ''اور جہاں بقدر تحمل نہ ہو وہاں اندازہ کر کے عدد پورا کریں اور بعد اداء اگر ایسے ایام مل جائیں جس کا تحمل ہوسکے تو احتیاطاً قضا بھی کرلیں اور اگر ایسے ایام نہ ملیں تو وہی اندازے کے روزے کافی ہوجائیں گے''۔(امداد الفتاوی:۲/۵۰۵)

(۲)شامی:۲/۲۳

سلم واجارہ کی مدتیں اور دن کی ابتداء کو دیکھا جائے گا پھر (سال کی) چار فصلوں اور موسموں میں سے ہر ایک موسم کو دن کے چھوٹے بڑے ہونے کے حساب سے اندازہ کیا جائے گا۔ (مثلاً گرمی کا دن بڑا ہوتا ہے اور سردی کا چھوٹا) اسی حساب سے مدت مقرر کی جائے گی۔ شوافع کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے اور ہم حنفی بھی اسی کے مطابق کہتے ہیں؛ کیونکہ نمازوں کے بارے میں اندازہ کرنے کی بات سب کے نزدیک کہی گئی ہے۔)

اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایسے طویل الاوقات علاقوں سے متصل وہ علاقہ جہاں معمولی اوقات ہیں، وہاں کے حساب سے روزہ وسحری وافطار سب کریں گے، کہ جس دن وہاں روزہ شروع ہوا، اسی کے حساب سے یہاں روزہ رکھ لیں، پھر دن ورات کی تقسیم گھنٹوں کے حساب سے کر کے، یہ دیکھ لیں کہ اس قریبی علاقے میں غروب کے وقت یہاں کتنے بجے ہیں اور سحری کے وقت یہاں کتنے بجے ہیں، اسی کے حساب سے سحری وافطاری کریں۔ (۱)

یہاں بعض علماء نے احتیاطاً یہ بھی کہا ہے کہ ایسے طویل الاوقات علاقے میں جہاں ہمیشہ اوقات کا مسئلہ ایسا ہی رہتا ہے وہاں اوپر کی صورت پر عمل کریں تو روزے ادا ہو جائیں گے، اور اگر بعض موسموں میں ایسا ہوتا ہے اور رمضان ایسے ہی طویل الاوقات دنوں میں آ گیا، تو وہاں کے لوگوں پر اداءً روزے فرض نہیں بلکہ دوسرے معمولی ایام میں ان کی قضا کر لیں۔ (۲)

---

(۱) اس کے لئے دیکھئے: امداد الفتاویٰ ۱/۵۰۴-۵۰۵

(۲) حضرت تھانویؒ کی یہی رائے ہے، امداد الفتاویٰ: ۱/۵۰۵

اور اگر ان دنوں میں روزہ رکھ لیں تو پھر احتیاطاً معمولی دنوں میں بھی قضاء کرلیں۔(۱)

ایک ملک سے دوسرے ملک کے سفر سے روزہ وعید میں فرق

زمانۂ حال نے ہوائی جہاز کے سفر کو جس قدر آسان اور عام کردیا ہے، اس کے نتیجے میں اب ساری دنیا ایک ملک ہی نہیں ایک شہر بلکہ گھر وآنگن کا مصداق نظر آتی ہے، اس صورتِ حال نے ایک مسئلہ یہ پیدا کردیا ہے کہ:

(۱) ایک شخص ایک دور دراز علاقے مثلاً سعودی عرب یا امریکہ میں تھا جہاں رمضان کا چاند مثلاً ہندوستان کے حساب سے ایک یا دو دن پہلے ہوا، اس کے بعد یہ شخص وہاں سے درمیان رمضان میں ہندوستان آگیا۔ اب یہ شخص اپنے حساب کے مطابق روزے پورے کرلے یا ہندوستان کے حساب کے مطابق سب کے ساتھ روزہ رکھ کر سب کے ساتھ عید کرے؟

اس سلسلہ میں قدیم فقہائے کرام کا کوئی کلام نہیں مل سکا، البتہ فقہاء کے بیان کردہ اس جزئیہ سے اس کا حکم مستنبط ہوسکتا ہے کہ اگر کسی نے چاند دیکھا، مگر اس کی گواہی اور خبر رد کردی گئی تو وہ شخص خود تو روزہ رکھے گا، مگر عید سب کے ساتھ کرے گا، اگرچہ ایک دن بڑھ جائے۔(۲)

---

(۱) امداد الفتاوی: ۱/ ۵۰۵

(۲) **فقال أبو البركات النسفي:** "ومن رأى هلال رمضان أو الفطر، و رد قوله صام"۔ (کنز مع بحر: ۲/ ۴۶۰-۴۸۴)۔

وفي الدر المختار: [رأى] مكلف [هلال رمضان أو الفطر و رد قوله] بدليل شرعي [صام] مطلقاً وجوباً ، وقيل: ندباً۔ (درمختار مع شامی :۳/ ۳۵۱)

اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس شخص کو سب کے ساتھ عید کرنا چاہئے اور زائد روزہ بھی رکھنا چاہئے ،اور حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے شوافع کے ایک قول سے اس کا حکم مستنبط کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص ہمارے ملک کے لوگوں کی اتباع کرے ،اس کی نظیر شافعیہ کا یہ قول ہے کہ جو شخص ایک شہر میں ظہر کی نماز پڑھ کر،اس کے فوراً بعد ایک ایسے شہر میں آ گیا جہاں ابھی ظہر کا وقت نہیں آیا تھا،تو وہ شخص ان دوسرے شہر والوں کے ساتھ بھی (ظہر کی) نماز دوبارہ پڑھے گا۔''(۱)

لہٰذا اس شخص کو چاہئے کہ یہاں سب کے ساتھ روزہ رکھے اور سب کے ساتھ عید کرے،خواہ کچھ روزے زیادہ ہو جائیں۔

(۲) اسی سے اس کے برعکس صورت کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک شخص مثلاً ہندوستان سے ایسے ملک گیا جہاں دو ایک دن پہلے سے روزے شروع ہو چکے تھے،اور وہاں کے لوگوں کے لحاظ سے اس شخص کے روزے کم ہو جائیں،تو اس کے بارے میں ایک سوال یہ ہے کہ جب یہاں کے لوگ اپنے حساب سے عید کریں تو یہ شخص کیا ان کے ساتھ عید کرے یا نہ کرے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ اس کے روزوں میں جو کمی ہے اس کا کیا کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کو عید ان ہی لوگوں کے ساتھ کرنا چاہئے؛ کیونکہ آدمی جس جگہ ہوتا ہے وہیں کے لوگوں کے ساتھ اس کا صوم وافطار ہوتا ہے۔

حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والأضحی

---

(۱) معارف السنن: ۵/ ۳۳۷

یوم تضحون "(۱)

لہذا اس شخص کو وہیں کے مسلمانوں کے ساتھ عید کرنا چاہئے اور جو روزوں میں کمی ہے اس کو قضاء کے ذریعہ پورا کرنا چاہئے۔ اگر ایک روزہ کی کمی ہے تو ایک اور دو کی تو دو روزے قضاء کرے۔

شیخ العثیمین نے لکھا ہے کہ:

" إذا سافر الرجل من بلد إلى بلد اختلف مطلع الهلال فيهما ، فالقاعدة أن يكون صيامه و إفطاره حسب البلد الذي هو فيه حين ثبوت الشهر ، لكن إن نقصت أيام صيامه عن تسعة و عشرين يوما ، فالواجب عليه إكمال تسعة و عشرين يوما لأن الشهر الهلالي لا يمكن أن ينقص عن تسعة و عشرين يوما "(۲)

مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے "احسن الفتاویٰ" میں اس دوسرے مسئلہ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔(۳)

---

(۱) ترمذی: ۶۹۷، دار قطنی: ۲۱۸۱

(۲) فتاوی الشیخ العثیمین: ۶۹۱/۹

(۳) چنانچہ استفتاء کیا گیا کہ: مکہ مکرمہ میں پاکستان سے ایک یا دو روز قبل چاند دکھائی دیتا ہے، پس...... اگر کوئی پاکستان سے مکہ مکرمہ جائے تو اس کے اٹھائیس ہی روزے ہوئے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ:...... دوسری صورت میں اہل مکہ کے ساتھ عید کرے اور ایک روزہ قضا رکھے۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۳۳/۴)

اس کے بعد فتاویٰ ابن تیمیہؒ دیکھا تو ابنِ تیمیہؒ نے بھی ضمناً بحث کرتے ہوئے اس مسئلہ میں تقریباً یہی لکھا ہے۔(۱)

(۳) اس سلسلہ میں ایک صورت یہ پیش آتی ہے کہ ایک شخص ایک ملک مثلاً سعودی عرب میں عید کر کے چلا اور دوسرے ملک مثلاً ہندوستان پہنچا تو یہاں اسی دن عید ہو رہی ہے تو کیا کرے؟ ظاہر یہی ہے کہ یہ شخص یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید میں شامل ہو جائے۔

(۴) اس سلسلہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک جگہ سے عید کر کے ایک شخص دوسرے علاقے کو پہنچا اور وہاں ابھی عید نہیں ہوئی تھی، بلکہ رمضان ہی چل رہا تھا، مثلاً سعودی عرب سے عید کر کے اسی دن ہندوستان یا پاکستان پہنچا اور ہندوستان یا پاکستان میں ابھی انتیسواں روزہ تھا، تو اس شخص کو کیا کرنا چاہئے؟ روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور یہ کہ دوبارہ یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید کرنا چاہئے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اس کو اب روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے روزے اور عید سب ہو چکے ہیں، ہاں یہاں کے لوگوں کے ساتھ اس کو عید میں شامل ہو جانا چاہئے۔(۲)

(۵) ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک ملک میں رہتے ہوئے انتیس روزے رکھا، اور انتیس کی شام میں اعلان ہوا کہ یہاں چاند نہیں ہوا لہذا کل کا روزہ ہوگا، یہ شخص اسی رات وہاں سے سفر کر کے دوسرے ملک میں پہنچا جہاں معلوم ہوا کہ چاند ہو گیا اور صبح عید ہے، اب یہ شخص کیا کرے، یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید کرے یا پہلے ملک کے حساب سے روزہ رکھے؟ علامہ عثیمین نے جواب لکھا ہے کہ یہ شخص

---

(۱) مجموعہ فتاویٰ: ۲۵/۱۰۶

(۲) فتاوی الشیخ العثیمین: ۱۹/۲۷

یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید کرے گا اور اگر اس کے روزے یہاں کے حساب سے کم ہیں تو ان کو قضاء کرے گا۔(۱)

روزے میں انجکشن کا حکم

روزے کی حالت میں انجکشن کے سلسلہ میں اولاً دو باتیں قابل غور ہیں: ایک انجکشن کی صورت کے بارے میں کہ اس کا کیا اثر روزے پر پڑتا ہے؟ اور دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ انجکشن کس مقصد کے لئے لگایا جا رہا ہے؟ اور مقصد کے مختلف ہونے کے لحاظ سے اس کے شرعی حکم میں کیا فرق پڑتا ہے؟

(۱) جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے اہل طب نے بھی یہ بات واضح کر دی ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ انجکشن میں سے بعض براہ راست گوشت میں اور بعض گوشت و پوست کے درمیان میں اور بعض راست طور پر پیٹ میں اور اکثر رگوں میں لگائے جاتے ہیں۔ لہذا اب غور یہ کرنا ہوگا کہ ان میں سے کونسے انجکشن کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انجکشن خواہ رگوں میں دیا جائے، جیسے عام بیماریوں کے اندر ہوتا ہے، یا گوشت یا پوست میں لگایا جائے، جیسے دیابیطس کے مریضوں کو ''انسولین'' پوست کے اندر لگاتے ہیں یا پیٹ میں لگایا جائے، جیسے کتا کاٹے ہوئے کو پیٹ میں لگاتے ہیں، سب کا حکم ایک ہے کہ ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

اس مسئلہ میں اگر چہ فقہاء معاصرین کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے، تاہم جمہور علماء کا فتویٰ و فیصلہ یہ ہے کہ اس کا روزہ باقی ہے، فاسد نہیں ہوا، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمہ اللہ نے ''فتاویٰ دار العلوم'' میں حضرت

---

(۱) فتاوی الشیخ العثیمین: ۲/۱۹۷

مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ''امداد الفتاویٰ'' میں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے متعدد فتاویٰ اور رسالہ ''آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام'' اور رسالہ ''کلمة القوم فی الانجکشن فی الصوم'' میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اسی طرح علماء عرب میں سے اکثر کی رائے یہی ہے، علامہ شیخ عبداللہ بن باز، شیخ العثیمین، شیخ فوزان وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ فقہاء کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے جب صورۃً یا معنیً افطار پایا جائے، صورۃً افطار یہ ہے کہ منہ سے کوئی چیز نگل کر جوف معدہ میں پہنچائی جائے، اور معنیً افطار یہ ہے کہ جوف میں ایسی چیز پہنچائی جائے جس میں بدن کے لئے فائدہ ونفع ہو، خواہ وہ غذاء ہو یا دواء ہو، پھر جوف تک پہنچانے کی شرط یہ ہے کہ منفذ اصلی کے ذریعہ پہنچائی جائے۔ جب یہ باتیں پائی جائیں تو روزہ فاسد ہوگا، ورنہ روزہ باقی رہے گا۔ یہ تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرات فقہاء کے مطابق روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جبکہ روزہ کو توڑنے والی چیز جوف معدہ یا جوف دماغ میں پہنچے یا پہنچائی جائے اور یہ پہنچنا یا پہنچانا بھی ''منفذ اصلی'' کے ذریعہ ہو، جب یہ دو باتیں پائی جائیں تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں، یعنی اگر روزے کو توڑنے والی چیز جوف معدہ یا جوف دماغ میں نہیں گئی یا گئی مگر ''منفذ اصلی'' کے ذریعہ نہیں گئی تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔

اس اصول پر غور کریں کہ انجکشن میں صورت افطار تو نہیں پائی جاتی؛ کیونکہ انجکشن میں منہ سے دواء نہیں پہنچائی جاتی، بلکہ جیسا کہ معلوم ہے رگوں یا گوشت سے دواء داخل کی جاتی ہے، ہاں انجکشن میں معنیً افطار پائے جاتے ہیں؛ کیونکہ بدن کے لئے فائدہ مند چیز ''دواء یا غذاء'' جوف میں پہنچائی جاتی ہے، مگر اس کی جو شرط ہے کہ

یہ پہنچانا "منفذ اصلی" کے ذریعہ ہو، یہ بات اس میں متحقق نہیں، اس لئے انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

فقہاء کے کلام میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ معنی افطار پائے جانے کے باوجود منفذ اصلی کے ذریعہ جوف میں نہ پہنچنے کی بنا پر اس کو غیر مفسد مانا گیا ہے۔

(۱) فقہاء نے روزے میں سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے، اگر چہ کہ سرمہ کا اثر حلق میں محسوس ہو؛ کیونکہ یہ سرمہ حلق میں کسی منفذ اصلی سے نہیں پہنچا، بلکہ مسامات سے پہنچا ہے، اور آنکھ میں اور معدے یا دماغ کے مابین کوئی منفذ نہیں ہے۔

علامہ کاسانی "بدائع الصنائع" میں آنکھوں میں سرمہ ڈالنے کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس کے جواز کی دلیل اس طرح بیان کرتے ہیں:

" ولأنه لا منفذ من العين إلى الجوف ، ولا إلى الدماغ ، وما وجد من طعمه فذاك أثره ، لا عينه ، وأنه لا يفسد كالغبار والدخان " ـ (۱)

اور علامہ شامی سرمہ لگانے کے مسئلہ پر وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" قال في النهر : لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن ، والمفطر أنما هو الداخل من المنافذ ، للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد فى باطنه أنه لا يفطر۔ (۲)

ان عبارات سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ محض جوف میں کسی چیز کا پہنچ جانا

(۱) بدائع الصنائع: ۲/ ۲۳۷

(۲) شامی: ۳/ ۳۶۷

مفسد صوم نہیں ہے بلکہ منفذ اصلی سے پہنچنا مفسد صوم ہے ،اسی لئے سرمہ اگرچہ آنکھوں میں ڈالنے کے بعد حلق میں محسوس ہو،اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

(۲) فقہاء نے روزہ کی حالت میں سر میں تیل ڈالنے اور اعضاء بدن پر تیل لگانے کو جائز کہا ہے ،حالانکہ اس سے تیل بدن کے اندر پہنچتا ہے،اور اس کی تری اندر محسوس بھی کی جاتی ہے ،مگر چونکہ ''منفذ اصلی'' سے نہیں پہنچتا ،اور اصل وعین چیز نہیں پہنچتی بلکہ اس کا اثر پہنچتا ہے اس لئے اس کو مفسد صوم نہیں مانا گیا۔

چنانچہ علامہ کاسانی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں:

" و كذا لو دهن رأسه و أعضاء ه ، فتشرب فيه أنه لا يضره ؛ لأنه وصل إليه الأثر لا العين "(۱)

اور علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں:

" أو ادهن لم يفسد صومه كما لو اغتسل ووجد برد الماء في كبده أو اكتحل ولو وجد طعمه في حلقه أو لونه في بزاقه أو نخامته في الأصح ، وهو قول الأكثر، .... آگے چل کر فرماتے ہیں......... ولو وضع في عينيه لبناً أو دواءً مع الدهن فوجد طعمه في حلقه لا يفسد صومه إذ لا عبرة مما يكون من المسام"۔(۲)

(۳) غسل کرنے یا پانی سے بھگویا ہوا کپڑا سر یا بدن پر لپیٹنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا ،حالانکہ اس عمل سے پانی کی ٹھنڈک وتری داخل بدن محسوس ہوتی

---

(۱) بدائع:۲/ ۲۳۷

(۲) مراقی الفلاح:۲۳۶

ہے، وجہ اس کی بھی یہی ہے کہ اس کا اثر بدن میں جو محسوس کیا جاتا ہے وہ دراصل مسامات کے ذریعہ پہنچتا ہے، کسی منفذ اصلی سے نہیں پہنچتا۔

علامہ شامی کہتے ہیں:

" والمفطر أنما هو الداخل من المنافذ ، للاتفاق على أن من اغتسل فى ماء فوجد في باطنه أنه لا يفطر ۔(۱)

(۴) فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو پیٹ میں یا سر کے اندر زخم ہو جائے اور وہ اس زخم میں اندر دواء پہنچائے تو اس سے اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا، لیکن ان کے علاوہ کسی اور جگہ زخم ہو اور وہاں دوائی لگائی جائے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

علامہ نسفی نے ''کنز الدقائق'' میں فرمایا کہ:

" داوى جائفة أو آمة بدواء ووصل الدواء الى جوفه أو دماغه أفطر " ۔(۲)

اس کی وجہ یہی ہے کہ پیٹ کا زخم جس کو جائفہ کہتے ہیں اس میں دواء ڈالنے سے وہ جوف معدہ میں پہنچ جاتی ہے اور سر کے اندر دماغ کے زخم میں دواء ڈالی جائے تو وہ جوف دماغ میں پہنچتی ہے اس لئے اس کو مفسد قرار دیا گیا۔

(۵) مرد کی پیشاب گاہ میں اگر کوئی دوا ٹپکائی جائے، اور وہ مثانہ تک پہنچ جائے تو فقہاء میں اختلاف ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ روزہ فاسد نہ ہوگا اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مثانہ اور جوف بطن میں کوئی منفذ اصلی

---

(۱) شامی: ۳/ ۳۶۷

(۲) کنز مع البحر: ۲/ ۴۸۸

ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں کوئی راستہ و منفذ نہیں ہے، جبکہ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ان میں منفذ ہے۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ یہ بات ہر کس و ناکس محسوس کرتا ہے کہ پیشاب معدے ہی سے چلکر مثانہ میں آتا ہے، امام ابو یوسف نے اس سے یہ سمجھا کہ دونوں کے درمیان منفذ ہے اس لئے پیشاب معدے سے مثانہ میں آتا ہے، مگر امام ابوحنیفہ نے کہا کہ نہیں، بلکہ پیشاب کا معدے سے مثانہ میں آنا منفذ سے نہیں بلکہ مسامات سے ہوتا ہے، وہ مسامات سے رس کر مثانہ میں جمع ہوتا ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ پیشاب واپس معدے میں نہیں جا سکتا، اگر وہاں منفذ ہوتا تو جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس بھی جا سکتا، مگر ایسا نہیں ہے۔

ابن نجیم مصری نے اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

" وهو مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أم لا ؟ وهو ليس باختلاف فيه على التحقيق ، فقالا : لا، ووصول البول من المعدة الى المثانة بالترشح ، وما يخرج رشحاً لا يعود رشحا ، كأجرة اذا سُدّ رأسها ، وألقى في الحوض يخرج منها الماء ، ولا يدخل فيها "۔(۱)

اور شامی نے کہا کہ:

" والاختلاف مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أو لا؟ وهو ليس باختلاف على التحقيق والأظهر أنه لا منفذ له ، وانما يجتمع البول فيها بالترشح

(۱) البحر الرائق: ۲/ ۴۸۸

كذا يقول الأطباء "۔(۱)

معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف دراصل جوف بطن ومثانہ میں منفذ کے ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف پر مبنی ہے، اس سے اتنی بات معلوم ہوگئی کہ اگر امام ابو یوسف کے نزدیک بھی یہ بات ثابت ہو جاتی کہ ان دو کے درمیان منفذ نہیں ہے تو وہ بھی یہی کہتے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک یہ محقق ہو جاتا کہ دونوں میں منفذ ہے تو وہ بھی یہی فرماتے کہ روزہ فاسد ہو جائے گا۔

الغرض یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مخارق اصلیہ ومنافذ اصلیہ سے جو چیز ڈالی جائے اور وہ جوف معدہ یا جوف دماغ میں پہنچ جائے وہی مفسد صوم ہے۔

بلکہ فقہاء کے کلام سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ کسی چیز کے مفسد صوم ہونے میں اصل جوف معدہ ہے کہ اگر اس میں کوئی چیز پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہوگا، اور جوف دماغ میں پہنچنے کو اس لئے مفسد صوم مانا گیا ہے کہ جوف معدہ اور جوف دماغ کے مابین بھی منفذ اصلی موجود ہے، لہذا جو چیز دماغ میں پہنچے گی وہ اس منفذ کے ذریعہ معدے میں بھی پہنچ جائے گی۔

علامہ ابن نجیم مصری نے لکھا ہے کہ:

" وفي التحقيق : أن بين الجوفين منفذاً أصلياً ، فما وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن "۔(۲)

اور شامی نے اسی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

" قال في البحر : و التحقيق أن بين الجوفين منفذاً

---

(۱) شامی: ۳/۲/۳۷۲

(۲) البحر الرائق: ۲/۴۸۸

أصلياً ، فما وصل إلى جوف الرأس يصل إلى جوف البطن " ۔(۱)

الغرض ان سب سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ محض کسی چیز کے بدن میں پہنچنے یا پہنچانے سے روزہ فاسد نہیں ہوجاتا بلکہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جبکہ دو باتیں پائی جائیں: ایک یہ کہ وہ چیز جوفِ بطن میں پہنچے اور دوسرے یہ کہ ''منفذ اصلی'' کے ذریعہ پہنچے۔

اس سلسلہ میں بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی کی ایک عبارت بالکل صاف وواضح ہے، وہ فرماتے ہیں:

" وما وصل إلى الجوف أو الدماغ من المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى الجوف أو الدماغ فسد صومه أما إذا وصل إلى الجوف فلا شك فيه لوجود الأكل من حيث الصورة وكذا إذا وصل إلى الدماغ لأن له منفذاً إلى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف .... وأما ما وصل إلى الجوف أو الدماغ من غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة فان داواها بدواء يابس لا يفسد ؛ لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ ولو علم أنه وصل يفسد في قول أبي حنيفة "۔(۲)

(۱) شامی: ۳/۳۶۷

(۲) بدائع الصنائع: ۲/ ۲۲۷

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ عام طور پر جو انجکشن لگائے جاتے ہیں وہ رگوں میں دئے جاتے ہیں، اور یہ رگیں نہ تو جوف ہیں اور نہ منفذ اصلی اسی طرح گوشت میں یا گوشت و پوست کے درمیان میں جو انجکشن لگائے جاتے ہیں وہ بھی منفذ اصلیہ میں نہیں ہے، لہذا مسئلہ صاف ہوگیا کہ انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

اس کے بعد آیئے انجکشن کے مقصد کے لحاظ سے انجکشن کا حکم معلوم کرتے ہیں، انجکشن کبھی تو بیماری میں ضرورت کی وجہ سے لیا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دوائی بدن میں پہنچائی جاسکے، اور کبھی محض اس لئے لیا جاتا ہے کہ بدن میں قوت و طاقت پیدا ہو ، اور اس کے لئے غذاء پہنچائی جائے۔ مگر روزہ کے فاسد ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے اس میں وہی بات ملحوظ رکھنا چاہئے جو اوپر عرض کی گئی کہ انجکشن منفذ اصلی سے نہیں دیا جاتا ، اس لئے انجکشن کی کسی بھی صورت میں اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ، خواہ مقصد دوائی ضرورت ہو یا غذائی ضرورت ، کیونکہ روزے کے فاسد ہونے کی علت نہیں پائی گئی جیسا کہ تفصیلا عرض کیا گیا۔

ہاں انجکشن لگانے کے مقصد کے پیش نظر اس کے جائز ہونے یا مکروہ ہونے میں اختلاف ہوسکتا ہے، کہ بلا ضرورت روزہ میں انجکشن لینا مکروہ ہوگا اور ضرورت میں لینا مکروہ نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ دواء تو ضرورت ہے مگر غذاء روزے کی حالت میں کوئی ضرورت نہیں ، بلکہ روزے کی حقیقت کے خلاف ہے، لہذا اول صورت مکروہ نہیں اور دوسری صورت مکروہ ہوگی۔

اور اس کی فقہی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ روزے کی حالت میں اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے غسل کرنے ، بھیگے ہوئے کپڑے بدن یا سر پر لپیٹنے ، اور سر

پر پانی ڈالنے کی امام ابو یوسف نے اجازت دی ہے، مگر امام ابوحنیفہ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ روزے میں اس طرح کرنا گویا بے چینی و پریشانی کا اظہار ہے، اور یہ بات کراہت سے خالی نہیں۔

امام شامی نے لکھا ہے کہ:

"وإنما كره الإمام الدخول في الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيها من إظهار الضجر في إقامة العبادة لا لأنه مفطر"۔(۱)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو یہ کہ روزہ میں پانی کا جسم پر یا سر پر ڈالنا غسل کرنا، جسم پر کپڑا لپیٹنا مفسد و مفطر صوم نہیں، دوسرے یہ کہ امام صاحب نے اس کو مکروہ اس لئے کہا ہے کہ اس عمل سے عبادت سے بے چینی کا اظہار ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح جب کوئی بلا ضرورت ایسا انجکشن لیتا ہے جو غذا فراہم کرتا ہے تو اس سے بھی اگر چہ کہ روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن روزے سے پریشانی و بے چینی کا مظاہرہ ہوتا ہے، اس لئے یہ مکروہ ہوگا۔ اس کے برخلاف دوا کے طور پر انجکشن لینا ایک ضرورت ہے اور اس سے روزہ رکھنے میں سہولت ہوتی ہے اور پریشانی سے حفاظت کا سامان ہوتا ہے، اس لئے دوا کے طور پر لینا بلا کراہت جائز ہے، جیسے پانی سے تر کیا ہوا کپڑا سر یا بدن پر لپیٹنا ضرورت پر جائز ہے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ سے ثابت ہے۔

شامی لکھتے ہیں کہ اسی پر فتوی ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں پیاس کی وجہ سے، یا گرمی کی وجہ سے سر پر پانی ڈالا تھا، اس کو

(۱) شامی: ۳/ ۳۶۷، بحرالرائق: ۲/ ۴۷۱

ابو داؤد نے روایت کیا ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ روزے کی حالت میں کپڑا بھگو کر اپنے اوپر لپیٹ لیتے تھے۔(۱)

اور علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ:

"عن أبي حنيفة أنه يكره للصائم المضمضة والاستنشاق لغير الوضوء ولا بأس به للوضوء وكره الاغتسال وصب الماء على الرأس والاستنقاع في الماء والتلفف بالثوب المبلول لأنه اظهار الضجر عن العبادة . وقال أبو يوسف : لايكره وهو الأظهر لما روي أن النبي صلى الله عليه وسلم صب على رأسه ماء من شدة الحر وهو صائم ولأن فيه إظهار ضعف بنيته وعجز بشريته فإن الإنسان خلق ضعيفا لا إظهار الضجر"۔(۲)

خلاصہ یہ ہے کہ انجکشن اگر ضرورت کے لئے ہے تو بلا کراہت جائز ہے ورنہ بے چینی کا اظہار ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں۔

روزہ میں انجکشن سے متعلق ایک قیمتی تحریر (۳)

سوال : میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ایک معاملہ میں

(۱) شامی:۳/۴۰۰

(۲) البحر الرائق:۲/۴۹۰

(۳) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے فتاوی میں مسئلہ انجکشن کے تعلق سے بہت سے شبہات کا جواب اور کافی سیر حاصل بحث فرمائی ہے اس لئے بغرض افادہ اس کا اضافہ کردیا گیا ہے۔

اپنی تسکین کرلوں ،اورآپ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاؤں ، امید کہ آپ بذات خود تکلیف وتوجہ فرما کر جواب مرحمت فرمائیں گے ، واقعہ یہ ہے کہ ابھی دیوبند کے دارالعلوم سے انگریزی میں ایک رسالہ رمضان المبارک پر شائع ہوا ہے، یہ رسالہ مہتمم جناب قاری محمد طیب صاحب کی جانب سے ہے،اس لئے اس کی بڑی اہمیت ہے اس میں لکھا ہے کہ انجکشن لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا صرف دو استثناء کئے گئے ہیں (۱) اگر زخم کر کے پانی پیٹ میں لے جایا جائے یا (۲) براہ راست دماغ میں دوا لے جائی جائے بقیہ انجکشن کو عمومیت کے ساتھ جائز کہا گیا ہے، اس میں مجھے شبہ گذرتا ہے ،اور خیال ہوتا ہے کہ یہ معاملہ مزید توجہ کا محتاج ہے۔

اسی رسالہ میں روزہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کھانے پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا ،ایک زمانہ میں کھانے کا طریقہ صرف یہ تھا کہ حلق کے راستہ سے کھانا پیٹ میں ڈالا جائے اور پینے کا بھی یہی طریقہ تھا کہ پانی حلق کے راستے سے پیٹ میں ڈالا جائے مگر سائنس کی ترقی نے نئے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں ،انہوں نے دریافت کیا کہ کھانا پیٹ میں جاکر کیا کام دیتا ہے، کھانا معدے میں ہضم ہونے کے بعد اس کا جوہر خون بن کر رگوں میں رواں ہوتا ہے۔

لہذا ایسے مریضوں کو جو منہ سے کھا نہیں سکتے ،رگوں کے انجکشن کے ذریعہ کھانا پہنچایا جاتا ہے بلکہ براہ راست خون بھی رگوں میں پہنچادیا جاتا ہے ،اور عرصہ تک اسی طرح مریض کو وہ جوہر رگوں میں پہنچا کر جو کھانے کا مقصد ہے، بلا کھانا کھلائے رکھا جاتا ہے۔

اسی طرح پانی پینے کا ایک مقصد رگوں کو سیراب کرنا ہے ،ایک کافی مقدار پانی کی ہر انسانی جسم میں موجود رہنی ضروری ہے ،اور اگر وہ موجود نہ رہے تو انسان

مر جائے، اس لئے ہیضہ کا مرض پانی کی کمی سے ہوتا ہے، دستوں کے راستہ اس کے جسم کا پانی نکل جاتا ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ رگ کاٹ کر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جاتا ہے، واضح ہو کہ رگ کاٹ کر پانی میں نہیں ڈالا جاتا ہے، بلکہ رگوں میں بھرا جاتا ہے اگر ناک کے ذریعہ ٹیوب ڈال کر پیٹ میں پانی ڈالا جائے تو ڈالا جاسکتا ہے، مگر معدے میں سوء ہضم ہے اور جب تک پانی تحلیل ہو کر رگوں کو سیراب کرے گا، مریض ختم ہو جائے گا، لہذا براہ راست پانی رگوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔

یہ دو مثالیں میں نے دی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض انجکشن غذا کا بعض پانی کا مقصد ادا کرتے ہیں، تمثیل کے لئے حسب ذیل باتوں پر نگاہ فرمائی جائے۔

(۱) گلوکوز کو ۲۵/۰، ۱۰۰، ۲۰۰، ۵۰۰/سی سی کا رگوں کے ذریعہ انجکشن کھانے کا کام دے گا۔

(۲) رگ کو کاٹ کر دو سیر چار سیر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جائے یہ طریقہ پینے کا کام دے گا۔

(۳) رگوں کے ذریعہ خون جسم کے اندر ڈال دیا جائے، یہ طریقہ طویل اور پیچیدہ راستے کو ترک کر کے براہ راست غذا کا مقصد پورا کرتا ہے، یہ سب انجکشن ہیں اور عمومیت کے پیش نظر سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب جائز ہیں اور اگر یہ جائز ہیں تو ہر آدمی کھانا کھانے کے بجائے ۵۰ سی سی گلوکوز انجکشن لے لے، کھانے کا مقصد حل ہو جائے اور بلا روزہ کا مقصد پورا کئے روزہ کہلائے گا۔

لہذا التماس ہے کہ آپ مندرجہ بالا امور پر میری تشفی فرماویں، میں جناب

ولا کی اس عنایت و کرم فرمائی کا بہت ممنون ہوں گا۔ والسلام

الجواب :

حامداً و مصلیاً :

روزے کی نقل کردہ تعریف: کھانے، پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا۔

انجکشن سے چاہے وہ ۵۰سی سی کا یا اس سے کم زائد کا، اس تعریف میں خلل نہیں آتا، کھانا، پینا بدیہی ہے، انجکشن کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا، رگ کاٹ کر پانی عروق (رگوں) میں پہنچانے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے، یعنی رگوں کو تر اور سیراب کرنا وہ فائدہ گو پورا نہ سہی، لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے میں، غوطہ لگانے، ایرکنڈیشنڈ میں داخل ہونے، سبز و شاداب مقام پر پہنچ جانے سے بھی حاصل ہوتا ہے، سر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل اندر پہنچتا ہے اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ شدت گرمی کی وجہ سے کپڑا بھگو کر حالت صوم میں سر پر لپیٹنا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ مقصد کے خلاف ہے، یونانی اطباء بعض امراض کے علاج میں بھپارہ دیتے ہیں جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں اور اکثر مسامات سے ہی پسینہ کے راستے امراض باہر آجاتے ہیں اور کبھی مادۂ کثیفہ کو رقیق بنا کر بصورت اسہال یا پلٹس مادہ خارج کر دیا جاتا ہے، غرض کہ جو فائدہ حلق کی راہ سے دوا کو جوف معدہ میں پہنچانے سے حاصل ہوتا ہے وہی بھپارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے، اور یہ طریقۂ علاج طب قدیم میں موجود ہے، جدید انکشاف نہیں، فقہاء و مجتہدین اس سے خوب واقف ہیں، مگر اس کو مفسد صوم نہیں قرار دیا، آج

سائنس کی ترقی کی وجہ سے اگر ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا یقین کیا جاتا ہے کہ رگوں کے ذریعہ پانی جسم میں پہنچانے سے پینے کا مقصد حاصل ہوتا ہے، اور خون رگوں میں پہنچانے سے کھانے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور بعض مریضوں پر تجربہ اس کا مؤید بھی ہے تو آج سے چودہ سو سال پہلے صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ سبحان اللہ، الحمد للہ۔ کھانے کا مقصد حاصل کرنے کے لئے مفید ہے اور جان نثار پیروی کرنے والوں کو اس کا تجربہ بھی ہے، یہ یقین واعتقاد بہت زیادہ قوی ہے، سائنس اور ڈاکٹروں کے یقین واعتماد سے کیا اس کو بھی مفسد صوم قرار دیا جائے گا۔ غیبت کو قرآن پاک نے اکل فرمایا ہے:

﴿أيحب أحدكم أن يأكل لحم أخيه﴾ [الحجرات:۱۲]

اور بعض کے متعلق تجربۃً قے کرا کے مشاہدہ کرانا بھی حدیث شریف میں مذکور ہے۔ کیا یہ بھی مفسد صوم ہے۔

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں مشاہدۃً اکل وشرب ہے مگر مقصد اکل وشرب اس پر کچھ مرتب نہیں ہوتا، پھر بھی وہ مفسد صوم ہے، مثلاً کسی نے ایک تل کھالیا اس سے بھوک بھی کچھ بھی دفع نہیں ہوتی، مگر روزہ فاسد ہوگیا، اور اگر بھول کر کھا پی لیا تو حقیقۃً اکل شرب بھی پایا گیا اور مقصد بھی پورا ہوگیا لیکن روزہ فاسد نہیں ہوا۔

بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جوف میں ایسی چیز داخل ہوگئی جو اکل وشرب کا فائدہ دینے کے بجائے وبال ومصیبت بن گئی مگر روزہ فاسد ہوگیا، مثلاً کسی روزے دار کے تیر مارا گیا اور لوہے کا حصہ اندر رہ گیا تو روزہ فاسد ہوگیا۔ سونے میں احتلام سے مقصد جماع حاصل ہوگیا مگر روزہ فاسد نہیں ہوا۔ محض دیکھ کر انزال ہوگیا، روزہ فاسد نہیں ہوا، سفر میں عامۃً مشقت ہوتی ہے، جس کی رعایت سے

شریعت نے قصر نماز کا حکم دیا اور اجازت افطار دی اور دوسرے بعض احکام میں بھی تخفیفاً سہولت اور رخصت دی اور مسافت سفر تین یوم (تین منزل تقریباً اڑتالیس میل) مقرر کی، لیکن اگر کوئی شخص تین دن کی مسافت تین گھنٹے یا اس سے کم طے کرے اور بہت راحت کے ساتھ کہ کسی قسم کی مشقت پیش نہ آئے تو کیا وہ نماز قصر نہیں کرے گا یا اس کو رخصت افطار سے محروم کر دیا جائے گا یا دوسرے احکام میں تخفیف کی سہولت ورخصت سے فائدہ نہیں حاصل کر سکے گا۔

اصل یہ ہے کہ قانون پر عمل کی صورت شرعاً تجویز کر دی گئی ہے، اس طرح عمل کیا جائے اور اس پر حکم دیا جائے گا، اس کے خلاف اپنی دوسری صورت تجویز کر کے اپنے تجویز کردہ مقصد قانون کو پورا کیا گیا تو وہ شرعاً قانون پر عمل نہیں ہوگا، اور جو صورت حدود قانون کے اندر جائز ہے اس کو مقصد قانون کے خلاف قرار دے کر حدود جواز سے خارج نہیں کیا جائے گا، سرکاری قانون ہے کہ لفافہ پر ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ لگایا جائے، اب اگر کوئی شخص ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ نہیں لگاتا بلکہ ۲۵/ پیسے لفافے پر چپکا دیتا ہے اس تخیل سے کہ مقصد قانون یہ ہے کہ ۲۵/ پیسے حکومت کے لئے خرچ کئے جائیں، سو میں نے ۲۵/ پیسے کر دئے تو اس کا یہ عمل قانون پر عمل نہیں ہوگا، بلکہ کہا جائے گا کہ اس نے قانون میں تحریف وترمیم کی ہے جس کا اس کو حق نہیں تھا۔(۱)

روزے میں دوا کا زبان کے نیچے رکھنا

قلبی امراض میں جو دوائیاں صرف زبان کے نیچے دبانے کی ہوتی ہیں اور حلق کے نیچے اُتاری نہیں جاتیں، ان کا حکم یہ ہے کہ ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔اس کی

---

(۱) فتاوی محمودیہ: ۱۵/۱۷۳-۱۷۹

فقہی نظریہ مسواک کا روزے کی حالت میں استعمال ہے، جس کو بلا کراہت جائز قرار دیا ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ:

" ولا بأس للصائم أن يستاك ، سواء كان السواك يابساً أو رطباً ، مبلولاً أو غيرَ مبلول "۔(۱)

نیز اس کی نظیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فقہاء نے عورت کو ضرورت کے موقعہ پر سالن کے چکھنے کی اجازت دی ہے، جیسے اس کا شوہر بد خلق ہو، بشرطیکہ وہ حلق کے نیچے نہ جائے۔(۲)

بلکہ ان سب سے زیادہ واضح نظیر یہ جزئیہ ہے کہ فقہاء نے عورت کو اپنے بچے کی حفاظت کی خاطر کھانا چبانے کی بلا کراہت گنجائش دی ہے، مراقی الفلاح میں ہے کہ :

" وكره مضغه بلاعذر كالمرأة إذا وجدت من يمضغ الطعام لصبيها ،أما إذا لم تجد بداً منه فلا بأس بمضغها لصيانة الولد"۔(۳)

اور بحر الرائق اور شامی میں ہے کہ:

" والمضغ بعذر بأن لم تجد المرأة من يمضغ لصبيها الطعام من حائض أو نفساء أو غيرهما ممن لا

---

(۱) بدائع الصنائع:۲/۲۶۶

(۲) مراقی الفلاح:۲۵۶، البحر الرائق:۲/۴۸۹، درمختار و شامی:۳/۳۹۵

(۳) مراقی الفلاح:۲۵۶

یصوم ولم تجد طبیخا "۔(۱)

جب اپنے بچے کی خاطر کھانا چبانے کی اجازت ہے تو خود اپنی حفاظت کے لئے ایسی دوا کا استعمال جو حلق میں نہ جائے، صرف زبان کے نیچے دبالی جائے، جائز ہے۔ لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ اس کا کوئی حصہ حلق میں داخل نہ ہو، ورنہ روزہ یقیناً فاسد ہو جائے گا۔

روزہ میں خون یا گلوکوز (Glucose) چڑھانے کا حکم

یہیں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ روزہ میں خون چڑھانا یا گلوکوز لینا درست ہے یا نہیں اور یہ کہ اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

خون یا گلوکوز چڑھانے سے روزہ کے ٹوٹنے کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا؛ کیونکہ یہ بھی جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، رگوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے، منفذِ اصلی سے نہیں، اس لئے اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا بلکہ باقی رہتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ روزے کی حالت میں خون یا گلوکوز لینا درست ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں علماء کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے کہ:

خون چونکہ نجس اور حرام ہے اور صرف سخت مجبوری و اضطرار کی حالت میں اس سے انتفاع جائز ہے اس لئے بغیر سخت مجبوری کے اس کا استعمال جائز نہ ہوگا اور پھر ایسا مریض جس کو مجبوراً خون لینا پڑے عام طور پر روزے سے بھی نہیں رہ سکتا، اس لئے یہ صورت زیادہ تر فرضی ہے، غرض یہ کہ اگر کوئی حالت مجبوری میں لے لے تو

(۱) البحر الرائق:۲/۴۸۹، شامی:۳/۳۹۵

درست ہوگا۔(۱)

اور گلوکوز اگر بہ ضرورت لیا جائے تو اس کی اجازت ہوسکتی ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے روزہ کی حالت میں عبادات میں اطمینان حاصل کرنے کے لئے غسل کرنے، بھیگے ہوئے کپڑے بدن یا سر پر لپیٹنے، سر پر پانی ڈالنے وغیرہ کی اجازت دی ہے۔(۲)

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرمی یا پیاس کی وجہ سے سر پر پانی ڈالنا ابوداؤد کی روایت سے ثابت ہے۔(۳)

(۱) مثلاً علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

قال في النهاية والتهذيب : يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاء ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه۔(شامی:۷/۴۸۰)

(۲)**وفي الدرالمختار**:وكذا لا تكره حجامة وتلفف بثوب مبتل ومضمضة أو استنشاق أو اغتسال للتبرد۔(درمختار مع شامی:۳/۳۹۹)

وفي الهندية :كره الاغتسال وصب الماء على الرأس والاستنقاع في الماء والتلفف بالثوب المبلول ، وقال أبويوسف:لا يكره وهو الأظهر،كذا في محيط السرخسي۔(الفتاوی الہندیہ:۱/۲۲۰)

(۳)عن أبي بكر بن عبد الرحمن ، قال : قال الذي حدثني لقد رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالعرج يصب على رأسه الماء وهوصائم من العطش أو من الحر۔

(ابوداؤد :۲۶۹،الرقم،۲۳۶۵۔مستدرک حاکم:۱/۵۹۷،الرقم،۱۵۷۹۔سنن کبری بیہقی:۴/۴۳۸،الرقم،۸۲۶۱)

اور یہ معلوم ہے کہ اس سے بدن کے اندر پانی پہنچتا ہے اور اس سے جسم کے اندر ٹھنڈک پہنچ کر پیاس وگرمی ختم ہوجاتی ہے، اس کے باوجود اس کی اجازت فقہاء نے دی ہے لہٰذا بہ ضرورت اگر کوئی روزہ دار گلوکوز لے تو درست ہوگا اور اگر بلا ضرورت چڑھائے تو مکروہ ہوگا؛ کیونکہ اس میں ایک طرح اس بات کا اظہار ہے کہ وہ روزہ سے پریشان ہے اور ایسی کوئی حرکت کرنا جس سے روزہ سے پریشانی و بے چینی ظاہر ہوتی ہو، فقہاء نے لکھا ہے کہ مکروہ ہے، اسی لئے امام اعظمؒ نے روزہ دار کے لئے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ شامی اور ابنِ نجیم فرماتے ہیں:

”وإنما كره الإمام الدخول في الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيها من إظهار الضجر في إقامة العبادة، لا لأنه قريب من الإفطار۔“

امام اعظم رحمہ اللہ نے (روزہ دار کے لئے) پانی میں اترنا اور بھیگے ہوئے کپڑے کو لپیٹنا اس لئے مکروہ قرار دیا کہ اس میں عبادت سے بے چینی کا اظہار ہے، اس لئے نہیں کہ وہ مفسد ہے۔(۱)

اور ظاہر ہے کہ گلوکوز بلا کسی ضرورت کے چڑھالینا، اظہار بے صبری و بے چینی ہے، اس لئے بلا ضرورت یہ مکروہ ہوگا۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۴۷۶

فقال الشامي: وكرهها أبو حنيفة لما فيها من إظهار الضجر في العبادة۔ (ردالمحتار: ۳/۳۶۷)

روزہ میں آپریشن (Operation)

اگر روزہ دار کو آپریشن کرانے کی ضرورت پڑ جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپریشن سے روزہ پر کیا اثر پڑے گا؟ یاد رکھنا چاہئے کہ محض آپریشن سے تو کسی بھی صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ چونکہ آپریشن کرنے کے بعد کبھی دوا یا اور کوئی چیز اندر داخل بھی کی جاتی ہے، اس لحاظ سے بعض صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا اور بعض صورتوں میں فاسد نہ ہوگا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

پیٹ یا دماغ کے علاوہ کسی اور جگہ کا آپریشن ہوا ہے تو دیکھا جائے گا کہ جہاں کا آپریشن ہوا ہے اس سے پیٹ یا دماغ تک منفذِ اصلی ہے یا نہیں، اگر منفذِ اصلی نہیں ہے تو اس آپریشن سے روزہ فاسد نہ ہوگا خواہ دوا ڈالی جائے یا نہ ڈالی جائے؛ کیونکہ جیسا کہ اوپر تفصیل سے گذر چکا ہے کہ وہی چیز روزے کو فاسد کرتی ہے جو جوف میں پہنچے اور منفذِ اصلی سے پہنچے، جب اس صورت میں جوف تک منفذ ہی نہیں ہے تو دوا ڈالنے سے بھی وہ جوف تک منفذ کے ذریعہ نہ پہنچے گی لہٰذا اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا اور محض آپریشن کسی بھی صورت میں روزے کو فاسد نہیں کرتا۔

اور اگر اس عضو اور جوف کے درمیان کوئی منفذِ اصلی ہے تو دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں ٹوٹے گا؛ کیونکہ مفسد پایا گیا۔

اور اگر آپریشن پیٹ یا دماغ کا ہوا ہے تو دیکھا جائے گا کہ صرف اندر سے کچھ نکالا گیا ہے یا کوئی دوا بھی اندر ڈالی گئی ہے، پہلی صورت پر روزہ باقی ہے اور دوسری صورت پر روزہ فاسد ہو جائے گا۔

اور اگر آپریشن کر کے پیٹ یا دماغ کے جوف میں کوئی مصنوعی یا انسانی یا حیوانی عضو لگایا گیا تو اس کا حکم حضراتِ فقہاء کے یہاں درپیش ایک صورت سے مستنبط ہوتا

ہے، وہ یہ ہے کہ:

اگر کسی شخص کو نیزہ لگا اور جوف تک پہنچ گیا اور جوف ہی میں اس کو رہنے دیا گیا، تو بعض فقہاء کے نزدیک اس شخص کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور بعض کے نزدیک فاسد نہ ہوگا اور اس سلسلے میں صحیح اسی کو بتایا گیا ہے کہ فاسد نہ ہوگا۔(۱)

بالکل یہی صورت اس کی بھی ہے، لہٰذا اس میں بھی بظاہر اختلاف ہونا چاہئے اور صحیح قول پر روزہ فاسد نہ ہونا چاہئے، مگر ذرا تدبر و تعمق سے کام لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ آپریشن کی زیر بحث صورت میں صحیح قول پر فاسد ہونا چاہئے؛ کیونکہ فقہاء کی زیر بحث صورت میں روزہ کے فاسد نہ ہونے کو اس لئے صحیح قرار دیا گیا ہے کہ:

"لأنه لم يوجد منه الفعل ، ولم يصل إليه ما فيه صلاحهٗ"۔(اس روزہ دار کی طرف سے یہ کام نہیں پایا گیا (بلکہ دوسرے نے اس کو نیزہ مارا ہے) اور اس کو ایسی چیز نہیں پہنچی ہے جو اس کے فائدے کی ہو۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں روزہ کو صحیح قول پر فاسد نہ قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ اس میں فاسد ہونے کی وجہ نہیں پائی گئی اور فاسد ہونے کی وجہ دو باتوں میں سے ایک ہے، یا تو فعل خود اس سے صادر ہوا ہو، یا اس چیز میں اس کے بدن کا کوئی فائدہ ہو۔(۳)

---

(۱) بزازیہ علی هامش الهندیہ:۴/ ۹۸

(۲) ردالمحتار:۳/ ۳۶۸، فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیہ:۱/ ۲۰۹

(۳) **فقال الشامي**: و حاصله أن الإفساد منوط إذا كان بفعله أو فيه صلاح لبدنه۔(شامی:۳/ ۳۶۸)

اب آپریشن کی زیرِ بحث صورت پر غور کیجیے کہ یہاں روزہ کو فاسد کرنے والی ان دو باتوں میں سے کوئی بات پائی جارہی ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ یہاں دونوں باتیں پائی جارہی ہیں: ایک تو وہ شخص خود آپریشن کرانے کو تیار ہوکر گویا یہ فعل خود کررہا ہے۔ اور دوسرے اس میں اس کا بڑا فائدہ بھی ہے؛ لہٰذا زیرِ بحث صورت میں جبکہ آپریشن کرکے کوئی مصنوعی یا حیوانی یا انسانی عضو اندر رکھا جائے گا، روزہ فاسد ہوجائے گا۔ معاصر عالم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی ''جدید فقہی مسائل'' میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور اگر یہ شخص آپریشن کے لئے راضی نہ تھا بلکہ جبراً آپریشن کردیا گیا اور پیٹ یا دماغ کے جوف میں کوئی عضو لگادیا گیا، یا سوتے ہوئے شخص کے ساتھ ایسا معاملہ کیا گیا، تب بھی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس کی نظیر فقہ کا یہ جزئیہ ہے کہ:

''اگر کسی کے حلق میں کوئی چیز جبراً یا اس کے سونے کی حالت میں داخل کی گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضاء لازم ہوگی۔''(۱)

اس کی وجہ علامہ شامی یہ لکھتے ہیں کہ:

''اس میں اس کا نفع اور فائدہ ہے''۔(۲)

پس معلوم ہوا کہ اوپر روزے کے فاسد ہونے کی جو دو وجہیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے ایک کا پایا جانا کافی ہے، لہٰذا اس صورت میں اگرچہ پہلی وجہ تو نہیں ہے؛

---

(۱)**فقال الشامي**:ویفسد أیضا فیما لو أوجر مکرهاً أو نائماً۔ (شامی:۳/۳۶۸)

(۲)**فقال** : لأن فیه صلاحه۔(شامی:۳/۳۶۸)

لیکن دوسری وجہ تو پائی جارہی ہے، لہٰذا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ ان دونوں آپریشنوں کی صورتوں اور اسی طرح ان صورتوں میں جن میں دوا ڈالی جاتی ہے اور وہ جوف تک پہنچتی ہے، روزہ جب ٹوٹ جاتا ہے تو اس پر صرف قضاء ہے یا کفارہ بھی ہوگا ؟ جواب یہ ہے کہ صرف قضاء لازم ہوگی، کفارہ کسی صورت پر بھی نہیں ہے؛ کیونکہ کفارہ صرف اس وقت لازم ہوتا ہے جبکہ روزہ صورۃً ومعناً دونوں طرح توڑ دیا جائے۔ صورت کے اعتبار سے روزہ کا توڑنا یہ ہے کہ منہ سے کوئی چیز نگل لی جائے ، اور معناً روزہ کا توڑنا یہ ہے کہ بدن میں ایسی چیز داخل کی جائے جو بدن کے لئے مفید ونفع بخش ہو۔ (۱)

اور ان صورتوں میں جیسا کہ ظاہر ہے صورت کے لحاظ سے افطار نہیں ہوا، بلکہ صرف معنی کے لحاظ سے۔ اس لئے ان صورتوں میں صرف قضاء لازم ہوگی۔

روزہ کی حالت میں بدن سے خون نکالنا

یہ تو ظاہر ہے کہ روزہ کی حالت میں بدن سے خون نکالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیونکہ روزے کو فاسد وہ چیز کرتی ہے جو بدن میں داخل ہو نہ کہ وہ جو خارج ہو جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً طبرانی نے روایت کیا ہے کہ روزہ کا ٹوٹ جانا ان چیزوں سے ہے جو داخل ہونے والی ہیں نہ کہ ان سے جو خارج ہونے والی ہیں۔ (۲)

---

(۱) شامی: ۲/۴۱۰

(۲) عن عائشة قالت: دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا عائشة هل من كسرة ؟ فأتيته بقرص ، فوضعه على فيه وقال: يا عائشة هل دخل بطني منه شيء؟ كذلك قبلة الصائم ، إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج ۔

(مسند ابویعلی: ۸/۶۷، الرقم ۴۶۰۲، مجمع الزوائد مع بغیۃ: ۳/۳۹۰، الرقم: ۴۹۷۰)

نیز حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عکرمہ وابراھیم نخعی سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔(۱)

نیز جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ پچھنا لگوانا روزہ کو فاسد نہیں کرتا۔(۲)

لہٰذا خون نکالنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا لیکن یہ سوال کہ بجائے خود روزہ دار کو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ قابلِ غور ہے۔

اگر بضرورت ایسا کرنا پڑے مثلاً کسی بیمار کے لئے فوری ضرورت پڑ جائے اور یہ خون دیدے تو اجازت معلوم ہوتی ہے، جیسے علماء نے پچھنا لگوانے کی اجازت دی ہے۔(۳)

اور اگر بلا ضرورت کیا جائے تو کراہت سے خالی نہیں؛ کیونکہ اس سے بدن میں ضعف اور کمزوری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور روزہ دار کو ایسا کام کرنا جس سے کمزوری اور ضعف پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، مکروہ ہے۔(۴)

اور عالمگیری میں لکھا ہے کہ اپنے اوپر اطمینان ہو تو خون نکالنے میں مضائقہ نہیں، ورنہ مکروہ ہے اور کراہت اس وقت ہے کہ ایسا ضعف ہونے کا اندیشہ ہو کہ روزہ توڑنا پڑے۔(۵)

---

(۱) دیکھو فتح الباری: ۵/ ۳۲۶

(۲) **فقال الحافظ**: وأما الحجامة فالجمهور أيضاً على عدم الفطر بها مطلقاً۔ (فتح الباری: ۵/ ۳۲۵)

(۳) درمختار مع شامی: ۲/ ۴۱۹

(۴) درمختار مع شامی: ۲/ ۴۲۰، البحر الرائق: ۲/ ۲۷۳

(۵) ولا بأس بالحجامة إن أمن على نفسه الضعف، أما إذا خاف فإنه يكره ......وذكر شيخ الإسلام: شرط الكراهة ضعف يحتاج فيه إلى الفطر۔ (عالمگیری: ۱/ ۲۲۰)

روزہ میں عورت کی شرمگاہ میں لوپ {LOOP} داخل کرنا

عارضی مانع حمل چیزوں میں سے ایک لوپ بھی ہے جو عورتوں کی شرمگاہ میں چڑھایا جاتا ہے جس سے اس کے رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے، اگر اس کو روزہ کی حالت میں فرج (شرمگاہ) میں داخل کیا گیا تو اس عورت کا روزہ ٹوٹ جائے گا؛ کیونکہ اس کو فرجِ داخل (شرمگاہ کا اندرونی حصہ) میں داخل کیا جاتا ہے اور فرجِ خارج (شرمگاہ کا بیرونی حصہ جس کو غسل میں دھونا فرض ہے) میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہتا لہٰذا یہ لوپ جوف تک پہنچ جاتا ہے؛ کیونکہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرج داخل کو جوف ہی کا ایک حصہ قرار دیا۔(۱)

پس جب یہ جوف میں پہنچ گیا تو روزہ جاتا رہا، اس کی نظیر یہ جزئیہ ہے:

"ولو ادخلت قطنة ان غابت فسد وان بقى طرفها فى فرجها الخارج لا"۔ (اگر عورت روئی داخل کرے اور وہ اندر چلی جائے تو روزہ فاسد ہو گیا اور اگر اس کا حصہ فرجِ خارج میں باقی رہے گا تو فاسد نہ ہوگا)(۲)

یہاں چونکہ لوپ فرج داخل میں غائب ہو جاتا ہے اور باہر کے حصہ میں کچھ بھی نہیں رہتا اس لئے اس کو داخل کرنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر روزہ کی حالت میں نہیں بلکہ پہلے داخل کر کے پھر روزہ رکھا گیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا، حضرت

---

(۱) **فقال** : الأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه فهما في حكمه۔ (شامی: ۳/۳۷۲)

(۲) درمختار مع شامی: ۳/۳۶۹

تھانوی رحمہ اللہ نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔(۱)

اور اوپر کی صورت میں صرف قضاء لازم آئیگی، کفارہ نہیں، جیسا کہ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

مانع حیض دوائیوں کا رمضان میں استعمال

طب وڈاکٹری کی ترقیات نے جہاں اور بہت سی چیزوں کو ایجاد کیا ہے وہیں ایسی دوائیوں کو بھی باہر لایا گیا ہے جو حیض کے خون کو ایک عارضی مدت تک روک دیتی ہے۔ ان مانع حیض دوائیوں مثلاً (PRIMOLUT-N) اور (DUPHASTON) وغیرہ کے استعمال سے رمضان کے مہینہ میں حیض کا خون بند ہو جائے تو عورت کو اس مدت میں روزہ رکھنا ضروری ہو جائے گا؛ کیونکہ مدتِ حیض میں عورت کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت بلکہ حکم اس لئے تھا کہ خون جاری ہے، اب جبکہ خون کسی تدبیر سے بند ہو چکا ہے، اس پر روزہ رکھنا اس مدت میں ضروری ہوگا اور روزہ کے شوق سے عورت ان ادویہ کو استعمال میں لاکر اپنا خون بند کرلے تو اس میں کوئی برائی نہیں بلکہ اچھی بات ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ اس زمانے میں جبکہ ایسی دوائیاں ایجاد ہوگئی ہیں، کیا ان دوائیوں کا استعمال رمضان میں عورت پر ضروری ہوگا تاکہ روزہ رکھا جائے؟ جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں؛ کیونکہ اس کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں۔

---

(۱) چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ: خود روزہ کی حالت میں یہ چھلا مفسد صوم ہے، لیکن اگر غیر حالت صوم میں ہوا حالت صوم میں داخل بدن باقی رہے تو اس سے روزہ میں کوئی خلل نہیں آتا۔ امداد الفتاویٰ: ۲/۱۴۴

روزے کی حالت میں مصنوعی دانت کا استعمال

مصنوعی دانت اگر روزہ کی حالت میں بھی استعمال کیے جائیں تو ظاہر ہے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیونکہ اس سے کوئی چیز حلق میں داخل نہیں ہوتی، اسی طرح اس کا استعمال روزہ کی حالت میں مکروہ بھی نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں کوئی مزہ یا خوشبو وغیرہ نہیں ہے، جس سے کراہت پیدا ہوجاتی ہے، پھر اس کی جب عادت ہوتی ہے تو اس کا استعمال ایک ضرورت بھی بنجاتا ہے کہ بغیر اس کے بے چینی اور کلفت محسوس ہوتی ہے، اس لئے مصنوعی دانت کا بحالت روزہ استعمال بلا کراہت درست ہے، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی روزہ میں اس کے استعمال کو غیر مکروہ قرار دیا ہے۔(۱)

روزے کی حالت میں دانت نکلوانا

روزہ کی حالت میں اگر دانت نکلوانے کی حاجت پڑ جائے تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟ اور اس کا روزہ پر کیا اثر ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بلا ضرورت ایسا نہ کرنا چاہئے؛ کیونکہ ایک تو اس سے کمزوری پیدا ہوتی ہے اور روزہ میں ایسا کام کرنا جس سے کمزوری پیدا ہو، مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے کہ:

”لا يجوز أن يعمل عملا يصل به إلى الضعف“ (یعنی ایسے کام کرنا جائز نہیں جس سے کہ ضعف کی طرف پہنچے)(۲)

---

(۱) چنانچہ سوال ہوا کہ اگر روزہ کی حالت میں یہ مصنوعی دانت منہ میں رہیں تو روزہ مکروہ تو نہ ہوگا؟ الجواب: مکروہ نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ: ۱۴۲/۲)

(۲) درمختار مع شامی: ۴۴۰/۳

علامہ ابنِ نجیم نے بحوالہ قنیہ نقل کیا ہے کہ روٹی پکانے کا کام کرنے والے کے لئے جائز نہیں کہ روٹی پکانے میں ایسا منہمک ہو کہ جس سے روزہ توڑنا پڑے۔(۱)

نیز اس موقع پر منہ میں دوائیاں بھی ڈالی اور لگائی جاتی ہیں جن کا مزہ محسوس ہوتا ہے اور پہلے یہ بات عرض کر چکا ہوں کہ جن چیزوں کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے ان کا بلا ضرورت منہ میں لینا اور چکھنا مکروہ ہے۔اس لحاظ سے بھی بلا ضرورت یہ فعل مکروہ ہوگا۔

رہا یہ سوال کہ اگر دانت نکلوایا تو روزہ پر اس کا کیا اثر ہوگا ؟ تو عرض ہے کہ محض دانت نکلوانے سے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ اس سے خون نکل کر جوف کے اندر چلا جائے اور وہ خون تھوک پر غالب ہو یا اس کے برابر ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

درمختار میں یہ جزئیہ ہے کہ اگر دانتوں کے درمیان میں سے خون نکل کر صرف حلق تک گیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا؛ لیکن اگر جوف معدہ میں داخل ہو گیا اور وہ تھوک پر غالب یا اس کے برابر ہوا تو روزہ فاسد ہو جائے گا ،اسی طرح خون کا مزہ محسوس تھا اور وہ جوف میں داخل ہو گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔(۲)

اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اسی سے اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ کسی نے رمضان میں ڈاڑھ نکالا ،اور خون جوفِ معدہ میں داخل ہو گیا اگر چہ وہ سویا ہوا ہو تو اس پر قضا لازم ہے۔مگر علامہ شامیؒ نے اس کے بعد فرمایا ہے کہ اوپر والے مسئلہ اور

(۱) البحر الرائق:۲/۲۸۲

(۲) خرج الدم من بين أسنانه ودخل حلقه يعني ولم يصل إلى جوفه ، أما إذا وصل فإن غلب الدم أو تساويا فسد ، وإلا لا ،إلا إذا وجد طعمه۔

(درمختار مع شامی:۳/۳٦۷-۳٦۸)

اس میں یہ فرق ہوسکتا ہے کہ یہاں احتراز ممکن نہیں اور وہاں ممکن ہے۔اور اس دوسری صورت کو اس قے پر قیاس کیا ہے جو خود بخود لوٹ جائے کہ یہاں روزہ نہیں ٹوٹتا، ایسے ہی اس مسئلہ میں روزہ نہیں ٹوٹنا چاہئے۔(۱)

مگر قے میں اور اس میں فرق ہے، وہ یہ کہ قے غیر اختیاری ہے، اور دانت نکلوانا اختیاری، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ اس کے خون کے جوف میں داخل ہونے پر فسادِ روزہ کا حکم کیا جائے۔صاحب احسن الفتاویٰ اور صاحب فتاویٰ رحیمیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔(۲)

روزہ میں بیڑی، سگریٹ (Cigarette) حقہ کا استعمال

روزے کی حالت میں بیڑی سگریٹ اور حقہ کا استعمال کرنا روزہ کو فاسد کردیتا ہے؛ کیونکہ ان چیزوں سے دھواں اندر پہنچتا ہے، اور دھواں روزہ کو فاسد کرنے والی چیز ہے۔ درمختار میں ہے:

”لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أيّ دخان كان ولو عوداً أو عنبرا۔“(۳)

(اگر اپنے حلق میں دھواں داخل کرے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کسی قسم کا دھواں کیوں نہ ہو اگرچہ عود یا عنبر ہی ہو)

---

(۱)فقال:ومن هذا يعلم حكم من قلع ضرسه في رمضان ودخل الدم إلى جوفه في النهارولو نائماً فيجب عليه القضاء ، إلا أن يفرق بعدم إمكان التحرزعنه فيكون كالقيء الذي عاد بنفسه۔(شامی:۳/۳٦۸)

(۲)احسن الفتاویٰ:۴/۴۳٦،فتاویٰ رحیمیہ:۳/۱۰۹

(۳)درمختار مع شامی:۳/۳٦٦

اس جگہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اسی سے شرب دخان (جس میں بیڑی سگریٹ اور حقہ تینوں داخل ہیں) کا حکم بھی معلوم ہو گیا اور اس کو شرنبلالی نے نظم کیا ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ) ان دخانی چیزوں کے خریدنے اور اس کے پینے سے منع کیا جائے گا اور جو اس کو روزہ میں پئے گا، بلاشبہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ان سب چیزوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ اس سے صرف قضا لازم ہوگی یا کفارہ بھی لازم ہوگا؟ علامہ شرنبلالی نے "مراقی الفلاح" میں لکھا ہے کہ اس سے کفارہ واجب ہوگا۔(۲)

اور علامہ شامی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے بھی ان سے نقل کیا کہ اگر نفع کے خیال سے پیتا ہے تو کفارہ دینا ہوگا۔(۳)

روزہ میں اگربتی، عود وغیرہ کا دھواں سونگھنا

آج کل مساجد میں عام طور پر اگربتی جلانے کا رواج ہے، اسی طرح گھروں میں بھی اس کو استعمال کرتے ہیں اور یہ اچھی چیز ہے، مگر رمضان کے مہینے میں دن میں اس کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے؛ کیونکہ اس کا دھواں بھی اگر حلق میں داخل ہو گیا تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عود وغیرہ کے دھویں کا بھی یہی حکم ہے؛ کیونکہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ دھویں سے بچنا ممکن ہوتے ہوئے اس سے

---

(۱) فکتب ما نظمه الشرنبلالي: ويمنع من بيع الدخان وشربه ، وشاربه في الصوم لا شك يفطر۔ (شامی:۳/۳۶۶)

(۲) فقال :لا يبعد لزوم الكفارة أيضا للنفع۔ (مراقی:۲۴۷)

(۳) فقال :ويلزمه التكفيرلو ظن نافعاً۔ (شامی:۳/۳۶۶)

احتراز نہ کیا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ درمختار میں ہے:

”لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أيّ دخان كان ولو عوداً أو عنبراً لو ذاكراً لإمكان التحرز عنه“۔(۱)

(اگر اپنے حلق میں دھواں داخل کرے گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کسی قسم کا دھواں کیوں نہ ہو اگر چہ عود یا عنبر ہی ہو؛ کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے۔)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

”اگر بخور جلایا اور اپنے پاس رکھ کر اس کو سونگھا اور روزہ یاد ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا؛ کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے، اس میں بہت سے لوگ غفلت کرتے ہے۔“(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مساجد و گھروں میں اگر بتی و عود وغیرہ جلا کر اس کا دھواں سونگھنا، روزہ کو فاسد کر دیتا ہے، اور جیسا کہ علامہ شامیؒ نے فرمایا اس میں بہت زیادہ کوتاہی و غفلت پائی جاتی ہے۔ خصوصاً مساجد میں دن کے وقت نمازوں کے موقع پر اگر بتی جلا دیتے ہیں، جس کا دھواں بہت سے لوگوں کے حلق میں داخل ہوتا ہے، اور معلوم ہو چکا کہ اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(۱) درمختار مع شامی:۳/۳۶۶

(۲) فقال: لو تبخر بخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكراً لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه، وهذا مم يغفل عنه كثير من الناس۔ (شامی:۳/۳۶۶)

موٹروں کا دھواں اور راستے کا غبار

آج کل سڑکیں اور خصوصاً بڑی اور بازار کی سڑکیں موٹر گاڑیوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں، اور ان سے کثیر مقدار میں دھواں خارج ہوکر پوری فضا کو مکدر کرتا رہتا ہے پھر ان موٹروں کے چلنے سے راستے کا غبار بھی پوری فضا کو غبار آلود بنا دیتا ہے، ایسی صورت میں اس دھویں اور غبار کے حلق میں داخل ہوجانے سے کیا روزہ فاسد ہوجاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر صورتِ حال ایسی ہے کہ اس سے بچنا ممکن ہو تو اس سے حتیٰ الامکان احتراز کرنا اور اپنے حلق میں اس کو داخل ہونے سے بچانا ضروری ہے اور احتراز ممکن ہوتے ہوئے بچنے کا اہتمام نہ کیا گیا اور یہ غبار اور دھواں حلق میں داخل ہوگیا تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

علامہ شامی، علامہ شرنبلالی کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ:

"إذا وجد بداً من تعاطي ما يدخل غباره في حلقه أفسد لو فعل۔" (۱)

(جس چیز کا غبار حلق میں داخل ہوتا ہے اس پر قابو پانا ممکن ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر ایسا کریگا (یعنی اگر نہ بچے گا)۔

اور اگر صورت حال ایسی ہے کہ اس دھویں اور غبار سے بچنا ناممکن ہو تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، درمختار میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (۲)

---

(۱) شامی: ۳/۳۶۶

(۲) ففي الدر: [أو دخل حلقه غبارأوذباب أودخان] لعدم إمكان التحرزعنه......لم يفطر۔ (درمختار مع شامی: ۳/۳۶۶)

اور آج شہروں میں صورتِ حال کچھ ایسی ہی ہے، لہٰذا اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا بشرطیکہ بچنے کی اپنی بساط بھر کوشش کرلیا ہو۔ اور اسی سے گھروں میں اور بعض فیکٹریوں میں چولہوں سے نکلنے والے دھویں کا حکم معلوم ہوگیا کہ جہاں تک ممکن ہو وہاں تک بچنا چاہئے ورنہ روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور بچنا ممکن نہ ہو تو پھر روزہ فاسد نہ ہوگا۔

روزہ میں (نسوار) سونگھنے کا حکم

نسوار جس کو ہمارے علاقوں میں ناس کہا جاتا ہے، اس کو سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، چنانچہ حضرت مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''نسوار شمیدن در انف نیز مفسد صوم است۔'' (ناک میں ناس سونگھنا بھی روزہ کو فاسد کردیتا ہے۔(۱)

وجہ اس کی یہ ہے کہ ناس سونگھنے سے ناس ناک کے ذریعہ دماغ کے جوف میں پہنچتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ جوف دماغ تک کسی چیز کا پہنچ جانا روزہ کو فاسد کردیتا ہے، البتہ ناس کو ناک میں رکھ کر اس طرح نکال لیا گیا کہ وہ دماغ تک نہیں پہنچی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن ناک میں رکھ کر ایسا نکال لینا کہ ناس کے اجزاء دماغ تک نہ پہنچیں عادۃً دشوار ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس صورت میں بھی روزہ کو فاسد قرار دیا جائے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''نسوار کو ناک میں رکھ کر اس طرح نکال دیا جائے کہ دماغ تک نہ پہنچے تو بیشک وہ مفسدِ صوم نہیں لیکن عرفِ عام کے اعتبار

(۱) فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۴۱۸

سے ایسا ہونا بہت بعید بلکہ عادۃً متعذر کہا جائے تو صحیح ہے، اس لئے نسوار سونگھنے کو مفسدِ صوم ہی کہا جائے گا۔"(۱)

الغرض ناس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس سے بھی صرف قضا لازم آتی ہے، کفارہ نہیں۔

وکس، امر تنجن وغیرہ ادویہ کے استعمال کا حکم

وکس، امر تنجن، بام وغیرہ ادویہ کا خارجی استعمال - ظاہر ہے کہ - نہ مفسد ہے، نہ مکروہ بلکہ جائز ہے، اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ ان ادویہ کو ناک میں چڑھانا روزے کو فاسد کر دیتا ہے؛ کیونکہ یہ دماغ کے جوف تک ناک کے ذریعہ پہنچتے ہیں، چنانچہ "فتاویٰ دارالعلوم" میں ایک سوال وجواب سے اس پر روشنی پڑتی ہے:

سوال: اٹلوس ایک دوا ہے کہ نوشادر اور چونا ملا کر شیشی بھر کر ناک سے لگا کر سونگھا جاتا ہے، اس کی تیزی، دماغ تک پہنچتی ہے اس کے سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اس صورت میں روزہ اس کا ٹوٹ جائے گا، قضا لازم ہے۔(۲)

اس سے صورت مذکورہ بالا کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ اگر ان چیزوں کو ناک میں چڑھایا گیا تو چونکہ ان کی تیزی بھی دماغ تک پہنچتی ہے بلکہ خود اس کے اجزاء بھی پہنچتے ہے، اس لئے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

اور اسی سے وکس انہیلر (VICKS INHALER) کے استعمال کا حکم بھی

---

(۱) امداد المفتین: ۴۹۴

(۲) فتاویٰ دارالعلوم: ۶/ ۴۱۸

معلوم ہو گیا کہ اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے؛ کیونکہ اس کی تیزی بھی دماغ تک پہنچتی ہے۔ (واللہ اعلم) اور صرف قضا لازم آتی ہے۔

روزہ میں انہیلر (INHALER) کا استعمال

اسی سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا، وہ یہ کہ آج کل ایک آلہ ایجاد ہوا ہے، جس کے بارے میں بہت لوگ کہتے ہیں کہ اس میں ہوا بھری ہوتی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اس میں ہوا کے ساتھ دوا بھی بھری ہوتی ہے، یہ آلہ دمہ کے مریضوں کے لئے بنایا گیا ہے کہ جب اس کو منہ کھول کر دبایا جاتا ہے تو ہوا کے مانند اس سے کچھ نکلتے محسوس ہوتا ہے اور حلق میں پہنچ جاتا ہے، اس سے دمہ کے مریض کو کئی گھنٹے آرام وسکون رہتا ہے اس کے بارے میں سوال ہوتا ہے کہ اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب یہی ہے کہ اس سے بھی چونکہ گیس (gas) کی شکل کی ایک چیز بدن کے اندر پہنچتی ہے جس میں دوا ملی ہوتی ہے، اس لئے اس سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اور اس میں چونکہ صورۃً ومعناً دونوں طرح افطار پایا جا رہا ہے، اس لئے اس میں قضا و کفارہ دونوں لازم ہونگے جب کہ کفارہ کے لازم ہونے کی دوسری شرطیں بھی پائی جائیں، مثلاً رات سے روزہ کی نیت کی ہو، اس چیز کا استعمال عمداً ہوا ہو وغیرہ۔ واللہ اعلم (۱)

---

(۱) ایک عالم صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں اس مسئلہ کے تعلق سے اعتراض کیا کہ انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد نہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس سے جو دوا نکلتی ہے وہ طبی تحقیق کی رو سے پھیپڑوں میں پہنچتی ہے، معدے میں نہیں، لہذا یہ ایسا ہی ہوا جیسے سانس کے ذریعہ خارجی ہوا پھیپڑوں میں ہی پہنچتی ہے تو جب اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تو انہیلر کے استعمال سے بھی روزہ فاسد نہ ہو چاہئے۔..................................

....

...........اس لئے مناسب ہے کہ اس مسئلہ کی بابت حضرت اقدس کی تحریر کردہ وہ مفصل تحقیق نذر قارئین کردی جائے جو آپ کے عظیم فقہی و تحقیقی مقالات کے مجموعہ بنام ''نفائس الفقہ'' میں درج ہے، اس سے متعلقہ مسئلہ کا مناط حکم بھی اور آپ کا نقطۂ نظر بھی واضح ہو جائے گا، چنانچہ آپ رقم طراز ہیں کہ: ''تنفس کی بیماری کے علاج کے لئے ''انہیلر'' کا استعمال درست نہیں، اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ کیونکہ اس سے ایک دوا (بصورت سفوف جیسا کہ سوال میں ہے یا بصورت سیال چیز جیسا کہ بعض کا کہنا ہے) ہوا کے ذریعہ اندر پہنچائی جاتی ہے اور یہ اگرچہ ڈاکٹروں کے مطابق پھیپڑوں میں پہنچتی ہے، معدے میں نہیں، مگر یہ بات یقینی ہے کہ اس کو اسی راستہ سے پہنچایا جاتا ہے جس سے کہ معدے کی طرف بھی راستہ جاتا ہے، اور معدے میں اس کے پہنچنے سے کوئی مانع بھی موجود نہیں ہوتا، اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس کے کچھ اجزاء کا پھیپڑوں کے بجائے معدے میں چلا جانا عین ممکن ہے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے روزے کو فاسد قرار دیا جائے، وجہ یہ ہے کہ خود فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ:

"إن السبب يقوم مقام المسبب في موضع الاحتياط"

(بدائع: ۱/ ۱۴۶، ۲/ ۳۳۱)

اور یہاں دوا کا بذریعہ ''انہیلر'' پھیپڑوں میں پہنچانا سبب ہے معدے میں پہنچنے کا، لہٰذا اس کو بھی مسبب کے درجے میں مان کر روزے کے لئے اس کو مفسد قرار دینا چاہئے اور اسی اصول پر فقہاء کے کلام میں احتیاطاً وجوب کی کئی نظیریں ملتی ہیں، مثلاً

(۱) نوم کا ناقض وضو ہونا اسی سبب سے ہے کہ یہ سبب ہے استرخاء مفاصل کا اور وہ سبب ہے خروج ریح کا، جو حدث ہے، لہٰذا اس سبب کو مسبب کے قائم قرار دے کر اس ....

روزہ میں بھپارہ کے ذریعہ دواء

بھپارے کے ذریعہ دوا کا پہنچانا روزے کو فاسد کردیتا ہے، خواہ وہ پرانے طریقے کے مطابق ہو یا کسی نئے طریقے کے مطابق کسی مشین کے ذریعہ ہو، اور وجہ

......................................کو ناقض وضو مانا گیا ہے۔ (بدائع:۲/ ۵۳۵)

(۲) دخول بلا انزال میں وجوب غسل کی وجہ بھی یہی ہے کہ عموماً یہ انزال کا سبب ہے، لہذا اگر چہ انزال نہ ہو مگر دخول ہو جائے تو غسل کو واجب قرار دیا گیا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ:

"لأنه سبب للإنزال وهو متغيب عن البصر فقد يخفى عليه لقلته ، فيقام مقامه لكمال السببية ۔" (ہدایہ:۱/ ۱۹، اللباب فی شرح الکتاب:۱۰، بدائع:۱/ ۱۴۶)

(۳) "ایلاج فی الدبر" کی صورت میں مفعول پر وجوب غسل کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ وجوب احتیاطاً ہے۔ (ہدایہ:۱/ ۱۹، بدائع:۱/ ۱۴۶، شامی:۱/ ۲۹۹)

(۴) اسی طرح اس شخص پر روزہ واجب قرار دیا گیا جس نے چاند دیکھا، مگر اس کی شہادت قاضی نے رد کردی، تو یہ شخص روزہ رکھے گا اور اس کی وجہ احتیاط بیان کی گئی ہے۔

(ہدایہ:۱/ ۱۱۷، بحر:۲/ ۴۶۴)

الغرض "انہیلر" اگر چہ پھیپڑوں کے لئے بنایا گیا ہو اور اس سے اصل نشانہ پھیپڑے بنتے ہوں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے معدے کو جانے والے راستے ہی سے پھیپڑوں میں یہ دوا پہنچائی جاتی ہے اور معدے میں اس کے اجزاء کا چلا جانا بہت ممکن ہے ،لہذا اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

ہاں چونکہ ایسا شخص بغیر "انہیلر" کے رہے گا تو سخت پریشانی کا سامنا کرپڑتا ہے اور بسا اوقات یہ بات اس کے لئے خطرہ بھی بن جاتی ہے، اس لئے ایسے شخص کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہوگی اور اگر صحت مل جائے تو قضا، ورنہ فدیہ ادا کرنا ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اس سے بھاپ اور بھاپ کے ذریعہ دوائی حلق کے اندر جاتی ہے اور اس کا مفسد صوم ہونا معلوم و واضح ہے۔

مقعد میں دوائی یا آلات کا روزے کی حالت میں داخل کرنا

سیال ہو یا جامد کسی بھی دوا کا مقعد میں داخل کرنا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے، خواہ بواسیر کے اندرونی مسوں پر مرہم کی صورت میں ہو یا اور کسی وجہ سے ہو؛ کیونکہ سرین ایک منفذ ہے جس سے راست طور پر جوف معدہ کو راستہ ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ جوف میں منفذ اصلی سے کسی بھی چیز کا داخل کرنا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ ”حقنہ لگانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا“(۱)

اور رہا تشخیص و تحقیق کے لئے مقعد میں آلات کا داخل کرنا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اس کی نظیر فقہاء کا بیان کردہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے مقعد میں لکڑی یا انگلی داخل کی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، بشرطیکہ لکڑی کا ایک حصہ باہر ہو، پورا اندر داخل نہ ہو جائے اور انگلی خشک ہو، تر نہ ہو۔(۲)

علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ:

”وكذا روي عن محمد في الصائم : إذا أدخل خشبة في المقعد أنه لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة ، وهذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط فساد الصوم ـ“(۳)

---

(۱) بدائع:۲/ ۲۲۷، شامی:۳/ ۳۷۶

(۲) شامی:۳/ ۳۶۹

(۳) بدائع:۲/ ۲۲۷

اور ’’عالمگیری‘‘ میں ہے:

”ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن۔“(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقعد میں کوئی آلہ داخل کیا جائے اور اس میں کوئی دوا یا پانی وغیرہ لگا نا ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اور اگر اس پر دوا یا پانی لگا ہو تو چونکہ وہ دوا یا پانی اندر رہ جائے گا، اس لئے اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

پیشاب کے راستے سے دوا یا کوئی آلہ داخل کرنا

روزے کی حالت میں پیشاب کے راستے سے دوا یا کسی نلکی و آلے کے داخل کرنے کے بارے میں عورت و مرد کا حکم مختلف ہے، جہاں تک عورت کا مسئلہ ہے تو اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ عورت کی فرج کے دو حصے ہیں: ایک داخل دوسری خارج، فرج خارج کا حکم یہ ہے کہ اس میں کسی چیز کا داخل کرنا مفسد صوم نہیں؛ کیونکہ یہ جوف نہیں اور نہ اس میں داخل کی گئی دوا وغیرہ جوف میں جاتی ہے، اسی لئے اس حصہ کو داخل بدن نہیں مانا جاتا بلکہ خارج مانا جاتا ہے۔

اور فرج داخل اس کے برخلاف جوف کا ایک حصہ ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ:

”قلت : الأقرب التخلص بأن الدبر والفرج الداخل من الجوف إذ لا حاجز بينهما وبينه ، فهما في حكمه۔“(۱)

(۱) عالمگیری: ۱/۲۰۴

(۲) شامی: ۳/۳۷۲

اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت کی شرمگاہ میں دواء وغیرہ ٹپکانے سے بالاتفاق اس کا روزہ جاتا رہے گا؛ کیونکہ اس سے جوف میں وہ دواء پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانی نے ''بدائع'' میں فرمایا ہے کہ:

''وأما الإقطار في قبل المرأة فقد قال مشائخنا:أنه يفسد صومها بالإجماع ؛لأن لمثانتها منفذًا ، فيصل إلى الجوف۔''(۱)

البحر الرائق میں ہے:

'' لأن الإقطار في قبل المرأة يفسد الصوم بلا خلاف على الصحيح ۔''(۲)

اس لئے عورت کی فرج داخل میں دواء کا داخل کرنا یا کسی اور چیز خواہ وہ نلکی ہو یا کسی اور آلہ کا داخل کرنا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے ،بشرطیکہ اس کا کوئی حصہ فرج خارج میں نہ رہے ،ہاں اگر اس کا ایک حصہ فرج خارج میں یا باہر موجود ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

اس کی نظیر یہ جزئیہ ہے جو ''درمختار'' میں لکھا ہے کہ:

''ولوأدخلت قطنة إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجها الخارج لا۔''(۳)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ دوائیاں جب اندر پہنچانا ہوتا ہے تو اس کو پوری طرح

(۱) بدائع: ۲/ ۲۲۷

(۲) بحر: ۲/ ۴۸۸

(۳) درمختار: ۳/ ۳۶۹

اندر داخل کر دیا جاتا ہے، لہٰذا داخلی فرج میں دواء رکھ دینے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح عورتیں جو لوپ لگا لیتی ہیں اس سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ کیونکہ یہ بھی فرج داخل میں اندر رکھ دیا جاتا ہے، لیکن ڈاکٹر لوگ تشخیص و تحقیق کے لئے جو آلات استعمال کرتے ہیں، یہ چونکہ فرج میں داخل کر کے نکال لئے جاتے ہیں، وہیں چھوڑ نہیں دئے جاتے، اس لئے ان سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، بشرطیکہ ان آلات پر کوئی دواء یا پانی وغیرہ لگا ہوا نہ ہو؛ کیونکہ اندر داخل کی جانے والی چیز کا جوف ہی میں رہ جانا بھی فساد صوم کی شرط ہے۔

علامہ کاسانی نے اسی بات کو بیان کرتے ہیں کہا ہے کہ:

”هذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط لفساد الصوم۔“(۱)

نیز علامہ شامی نے لکھا ہے:

”ويشترط أيضا استقراره داخل الجوف ، فيفسد إذا غيبها لوجود الفعل مع الاستقرار ، وإن لم يغيبها فلا ؛ لعدم الاستقرار۔“(۲)

معلوم ہوا کہ ڈاکٹروں کے آلات اگر پانی و دواء لگے ہوئے نہ ہوں تو ان کے عورت کی شرمگاہ میں داخل کرنے سے اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

اور مرد کی پیشاب گاہ میں کسی چیز کا داخل کرنا اگر صرف ''ذکر'' کی حد تک ہو اور مثانہ تک نہ پہنچے تو بالاتفاق اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

---

(۱) بدائع: ۲/ ۲۲۷

(۲) شامی: ۳/ ۳۶۸

شامی نے لکھا ہے کہ:

”وأفاد أنه لو بقي في قصبة الذكر لا يفسد اتفاقاً
ولا شك فيه ۔“(۱)

اور علامہ ابن نجیم المصری نے ”البحر الرائق“ میں ”خلاصہ“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

”وأما ما دام في قصبة الذكر فلا يفسد اتفاقاً۔“(۲)

معلوم ہوا کہ اگر پیشاب کی نالی میں دواء یا کوئی آلہ داخل کیا جائے اور وہیں تک محدود ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور اگر وہ پیشاب تک نہ پہنچے تو اس میں اختلاف ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ و امام محمد فرماتے ہیں کہ روزہ فاسد نہ ہوگا اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

البحر الرائق میں ہے کہ:

”وإن أقطر في إحليله لا أي لا يفطر ، أطلقه فشمل
الماء والدهن ، وهذا عندهما خلافاً لأبي يوسف۔“(۳)

(اگر اپنی پیشاب گاہ کے سوراخ میں قطرہ ڈالا تو روزہ فاسد نہ ہوگا، قطرہ کو مطلق بیان کیا، لہذا پانی و دواء دونوں کے قطرات کو یہ شامل ہے اور یہ فاسد نہ ہونا امام ابوحنیفہ و امام محمد کے نزدیک ہے برخلاف امام ابو یوسف کے۔)

اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مثانہ اور جوف بطن میں منفذ اصلی کے پائے

(۱) شامی: ۳/ ۳۷۷

(۲) بحر: ۲/ ۴۸۸

(۳) بحر: ۲/ ۴۸۸

جانے کے بارے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی راستہ ومنفذ نہیں ہے جبکہ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ان میں منفذ ہے۔

ابن نجیم مصری نے ''البحر الرائق'' میں اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

”وهو مبني على أنه بين المثانة والجوف منفذ أم لا ؟ وهو ليس باختلاف فيه على التحقيق ،فقالا:لا، ووصول البول من المعدة إلى المثانة بالترشح ، وما يخرج رشحاً لا يعود رشحاً كأجرة إذا سد رأسها ، وألقي في الحوض يخرج منها الماء ، ولا يدخل فيها۔ “(۱)

اور شامی نے کہا ہے کہ:

”والاختلاف مبني على أنه هل بين المثانة و الجوف منفذ أم لا؟ وهو ليس باختلاف على التحقيق ، والأظهر أنه لا منفذ له ، وإنما يجتمع البول فيها بالترشح كذا يقول الأطباء۔“(۲)

معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف دراصل جوف بطن ومثانہ میں منفذ کے ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف پر مبنی ہے ،اور ترجیح امام ابوحنیفہ کے قول کو دی گئی ہے۔علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

”والأظهر أنه لا منفذ له وإنما يجتمع لابول فيها

---

(۱) بحر:۲/۴۸۸

(۲) شامی:۳/۳۷۲

بالترشح ، كذا يقول الأطباء"۔(۱)

(اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کو کوئی منفذ نہیں اور پیشاب مثانہ میں رس کر جمع ہوتا ہے، ڈاکٹروں نے ایسا ہی کہا ہے)

لہذا مرد کے پیشاب کے راستے سے کسی دواء یا آلہ کا داخل کرنا مفسد صوم نہ ہوگا؛ کیونکہ اس سے جوف میں کوئی چیز نہیں پہنچتی، بلکہ وہ جوف سے باہر رہتی ہے۔

روزے میں منجن اور ٹوتھ پیسٹ (Tooth Paste) کا استعمال

منجن اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال روزہ دار کے لئے کراہت سے خالی نہیں، اگرچہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا جبکہ یہ حلق میں نہ جائے لیکن چونکہ اس میں مزہ ہوتا ہے، اس لئے عام حالات میں اس کی اجازت نہیں ہوگی، بلکہ اس کا استعمال مکروہ ہوگا۔

ھدایہ میں ہے کہ:

"ومن ذاق شيئاً بفمه لم يفطر ويكره له ذالك۔" (جو شخص کوئی چیز اپنے منہ سے چکھے، اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اور یہ بات اس کے لئے مکروہ ہوگی۔ (۲)

اس طرح البحر الرائق درمختار وغیرہ میں بھی بلا عذر کسی چیز کے چکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (۳)

---

(۱) شامی: ۳/۳۷۲

(۲) ہدایہ: ۲/۲۶۴

(۳) وكره ذوق شيء ومضغه بلا عذر۔ (عالمگیری: ۱/۲۱۹، درمختار مع شامی: ۳/۳۹۵، البحر الرائق: ۲/۴۸۹، مجمع الانھر مع ملتقی: ۱/۳۶۳، مراقی الفلاح: ۲۴۸، بدائع: ۲/۶۳۵)

اور انہی نصوص فقہاء کی بنا پر حضرت حکیم الامت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ''امداد الفتاویٰ'' میں منجن کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے۔(۱)

اس لئے بلا عذر منجن یا ٹوتھ پیسٹ کا استعمال روزے کی حالت میں درست نہ ہوگا۔ البتہ کوئی عذر ایسا ہو، جس میں بغیر اس کے استعمال کے پریشانی ہوتی ہے تو البتہ اس کی اجازت ہوگی، چنانچہ مفتی عزیز الرحمان صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اس عذر کی بنا پر کہ مسوڑھوں سے خون اور مواد نکلتا ہے، منجن کے استعمال کی اجازت دی ہے۔(۲)

حاصل یہ کہ بلا عذر محض دانتوں کی صفائی کے لئے روزے کی حالت میں اس کا استعمال مکروہ ہوگا؛ کیونکہ دانتوں کی صفائی رات میں بھی ہوسکتی ہے، اور کوئی عذر ہو تو البتہ اس کی اجازت ہے مگر احتیاط کرنا ہوگا کہ حلق کے اندر کوئی اس کا جز نہ چلا جائے۔

روزہ میں سینٹ اور دیگر خوشبوؤں کا استعمال

روزہ میں سینٹ یا دیگر خوشبوؤں کا استعمال روزہ کو فاسد نہیں کرتا اور نہ ہی یہ

---

(۱) چنانچہ سائل نے اسی مسئلہ کی بابت کسی کا اعتراض وتعریض نقل کر کے سوال کیا تو حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ نے نصوص فقہاء ذکر کر کے جواب دیا کہ: ''ان روایات سے واضح ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے، اور اگر عادۃً جوف کے اندر پہنچ جاوے تو مفسد صوم ہے''۔

(امداد الفتاویٰ:۲/۱۴۱)

(۲)(چنانچہ سوال ہوا کہ: جب کہ مسوڑھوں سے خون اور مواد نکلتا ہو تو کسی ایسے منجن کا جو حابس خون اور دافع مواد ہو، استعمال جائز ہے یا نہ؟ جواب: جائز ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم:۶/۴۰۳)

مکروہ ہے۔ چنانچہ علامہ شامی "امداد الفتاح" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"لا يكره للصائم شم رائحة المسك والورد ونحوه مما لا يكون جوهراً متصلاً كالدخان۔" (روزہ دار کے لئے مشک یا گلاب وغیرہ ایسی چیزوں کی خوشبو سونگھنا مکروہ نہیں ہے جو جوہر متصل نہ ہو جیسے دھواں۔)(۱)

البتہ سینٹ کا استعمال بجائے خود اچھی چیز نہیں ہے؛ کیونکہ جیسا کہ مشہور ہے اس میں الکحل ملایا جاتا ہے جو نجس جوہر شراب ہے، اس لئے اس سے ہمیشہ ہی احتیاط کرنا چاہئے۔

بے ہوش کرنے اور اعضاء کو سند کرنے کا روزے پر اثر

روزے کی حالت میں بے ہوش کرنے سے یا اعضاء کو بے حس وسند کرنے سے روزہ پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ کیا اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ مکروہ ہوتا ہے یا نہیں؟

جہاں تک مسئلہ ہے روزے کی حالت میں کلوروفارم یا اسی طرح کی کوئی اور دوا سے جو حواس کو معطل اور آدمی کو بے ہوش کر دیتی ہے، بے ہوش و بے حس کرنے کا ،تو اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے جس سے اس کا روزہ پر اثر ظاہر ہوتا ہے۔

بذات خود بے ہوشی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہو، بلکہ بے ہوشی وغشی کے طاری ہونے پر بھی روزہ رہتا ہے، فاسد نہیں ہوتا، چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ:

---

(۱) درمختار مع شامی: ۳/۳۹۷

”ومن أغمي عليه في رمضان لم يقض اليوم الذي حدث فيه الإغماء لوجود الصوم فيه وهو الإمساك المقرون بالنية۔“ (جس پر رمضان میں غشی طاری ہوجائے، وہ اس دن کے روزے کی قضا نہ کرے جس دن کہ اس پر بے ہوشی طاری ہوئی؛ کیونکہ اس دن کا روزہ پایا گیا اور وہ ہے (کھانے پینے، جماع) سے روکے رہنا نیت کے ساتھ۔)(۱)

”الجوہرۃ النیرۃ“ میں بھی اس کو انہی الفاظ کے ساتھ تقریباً بیان کیا گیا ہے۔(۲)

اور عالمگیری میں ہے کہ:

”ولو أغمي عليه رمضان كله قضاه و إن أغمي عليه بعد ما غربت الشمس و بقي كذلك أياماً لم يقض تلك الليلة لأنه إن كان يعلم أنه نوىٰ الصوم فظاهر، و إن لم يعلم فظاهر حاله النية۔“(۳)

اس میں وضاحت ہے کہ جس شخص پر رمضان میں غشی طاری ہوئی وہ اس دن کی قضا نہ کرے جس دن کہ اس پر غشی طاری ہوی؛ کیونکہ اس کا روزہ ہے، البتہ دوسرے دنوں کا روزہ قضا رکھنا ہوگا؛ کیونکہ ان دنوں بے ہوشی کی وجہ سے اس نے نیت نہیں کی اور بغیر نیت کے روزہ نہیں ہوتا۔ عالمگیری کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ افطار کے بعد کسی پر غشی طاری ہوجائے اور اسی حالت پر چند ایام گزر جائیں تو پہلے دن کا

---

(۱) ہدایہ: ۲/۲۷۳

(۲) الجوہرہ: ۱/۲۰۹

(۳) عالمگیری ۱/۲۰۸

روزہ قضا کرنے کی ضرورت نہیں ؛ کیونکہ مسلمان سے یہی امید ہے کہ اس نے روزہ کی نیت کی ہوگی لہٰذا روزہ ہوگیا، اگر چہ وہ بے ہوش تھا۔اس سے اتنا معلوم ہوگیا کہ بجائے خود بے ہوشی سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

البتہ اس سلسلہ میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان حواس کو معطل کردینے والی دواؤں کو کس طرح استعمال کرایا جاتا ہے، اگر ایسی صورت اختیار کی گئی جس سے دوا بدن کے اندر جوف میں بذریعہ منفذ اصلی پہنچتی ہو تو روزہ فاسد ہوجائے گا ،مثلاً ناک کے ذریعے سونگھائی گئی اور اس کی تیزی دماغ تک پہنچی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر ایسی صورت اختیار کی گئی جس سے یہ دوا جوف میں نہیں پہنچتی یا بذریعۂ منفذ اصلی نہیں پہنچتی تو روزہ فاسد نہ ہوگا ،مثلاً انجکشن کے ذریعہ یہ دوا دی گئی اور آدمی بے ہوش ہوگیا تو روزہ نہیں گیا۔(۱)

اور جہاں تک مسئلہ ہے اعضاء کو سند و بے حس کرنے کا تو اس میں عام طور پر انجکشن کے ذریعہ دوائی دی جاتی ہے اور جس حصے کو سند کرنا ہوتا ہے وہیں یہ انجکشن لگایا جاتا ہے جس سے وہ حصہ کچھ دیر میں بے حس ہوجاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا ؛ کیوں کہ جیسا کہ اوپر انجکشن کے مسئلہ میں وضاحت سے عرض کیا گیا ہے ، روزہ اس وقت فاسد ہوتا ہے جب کوئی مفید چیز

---

(۱)المجمع الفقه الاسلامی جدہ نے اپنے دسویں سمینار-منعقدہ:۲۳-۲۸ رصفر المظفر ۱۴۱۸ھ- میں اس سلسلہ میں جو قرارداد منظور کی ہے اس میں متعدد چیزوں کو غیر مفسد قرار دیا ہے، ان میں سے ایک یہ لکھا ہے کہ:" غازات التخدير مالم يعطى المريض سوائل (محاليل) مغذية" (مجلۃ المجمع :عدد:۱۰)

جوف میں بذریعۂ منفذ اصلی پہنچائی جائے، اور انجکشن میں منفذ اصلی سے دوا نہیں جاتی؛ لہذا روزہ اس سے فاسد نہیں ہوتا۔

روزہ کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ یا دوا ڈالنا

عام طور پر کتب فقہ میں آنکھوں میں سرمہ یا دوا کے استعمال کو روزہ دار کے لئے درست اور غیر مفسد صوم قرار دیا گیا ہے، حتی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ آنکھوں کے سرمہ اور دوا کا مزہ حلق میں محسوس ہونے لگے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

چنانچہ ''بزازیہ'' میں ہے:

''لا يفسد الا كتحال ولو وجد طعامه۔'' (سرمہ لگانا مفسد نہیں اگرچہ مزہ معلوم ہو)۔(۱)

مگر زمانۂ حال کی جدید طبّی تحقیقات نے علماء کو اس پر نظر ثانی کی زحمت دی ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرات فقہاء کرام نے سرمہ اور دوا کے آنکھ میں ڈالنے کو روزے کے لئے جو غیر مفسد قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھ اور جوف کے درمیان کوئی منفذ اصلی نہیں ہے اور جب منفذ نہیں ہے تو سرمہ یا دوا کے استعمال سے یہ اندیشہ نہیں ہے کہ یہ منفذ سے جوف تک پہنچیں گے اور یہ ثابت ہے کہ روزہ کو فاسد کرنے والی چیز وہی ہے جو جوف تک پہنچے اور بذریعۂ منفذ اصلی پہنچے، چنانچہ علماء نے جو یہ لکھا ہے کہ آنکھ کے سرمہ کا اثر اگرچہ حلق میں محسوس ہو، روزہ اس سے نہیں ٹوٹتا، اس کی وجہ علامہ شامی یہ نقل کرتے ہیں کہ:

''لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي

(۱) بزازیہ علی ھامش الہندیہ: ۱/ ۹۷، نیز دیکھو عالمگیری: ۱/ ۲۰۳

هو خلل البدن ، و المفطر إنما هو الداخل من المنافذ۔"
(حلق میں جو (سرمہ) موجود ہے یہ وہ اثر ہے جو مسامات بدن سے داخل ہوا ہے اور اس روزہ کو وہ چیز توڑتی ہے جو منفذ سے داخل ہو۔)(۱)

اس سے اتنا معلوم ہوا کہ حضرات علماء وفقہاء نے آنکھ اور جوف کے درمیان منفذ نہ ہونے کی بنا پر یہ فیصلہ کیا کہ آنکھ میں سرمہ ڈالنا مفسد صوم نہیں۔

چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"ولو اکتحل لم یفطر لانہٗ لیس بین العین و الدماغ منفذ۔" (اگر سرمہ لگایا تو روزہ نہیں ٹوٹا؛ کیونکہ آنکھ اور دماغ کے درمیان راستہ نہیں)(۲)

مگر آج کی طبّی تحقیقات نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آنکھ اور جوف کے درمیان منفذ موجود ہے۔اس تحقیق پر یہ مسئلہ کہ آنکھ میں دوا ڈالنا یا سرمہ لگانا روزے کو توڑ دیتا ہے یا نہیں؟ از سر نو زیر بحث لانے کا محتاج ہو گیا ہے۔

اس سلسلے میں اصولی طور پر دو باتیں ملحوظ ہونی چاہئے:

ایک تو یہ کہ حضرات فقہاء نے جن مسائل کی بنیاد علم تشریح اعضاء پر رکھی ہے، ان میں انھوں نے اپنے زمانے کے ماہرین و محققین کی تحقیقات پر بھروسہ کیا ہے، انھوں نے خود یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان تحقیقات کی بنیاد ہمارے علم پر ہے بلکہ بعض جگہ

---

(۱) درمختار مع شامی:۳/۳۶۷

(۲) ہدایہ:۲/۲۵۵

وضاحت کردی کہ یہ مسائل فقہ سے متعلق نہیں بلکہ علم تشریح سے تعلق رکھتے ہیں، اس سے جو ثبوت ہوگا، اسی پر مسئلہ شرعیہ کا انطباق ہوگا، چنانچہ صاحب "ہدایہ" نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ: اگر کوئی اپنے ذکر میں قطرہ ٹپکالے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسئلہ ہے اور حضرت ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ فاسد ہوجائے گا، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:

> "گویا کہ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ ذکر (پیشاب گاہ) اور جوف کے درمیان منفذ ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ثابت ہوگیا تھا کہ ان دونوں کے مابین مثانہ حائل ہے اور یہ تحقیق فقہ کے باب سے متعلق نہیں ہے۔" (۱)

اور فتاوی خانیہ میں ہے:

> "لأبي حنيفة أن المثانة ليس لها منفذ ، وإنما يخرج البول منها بطريق الترشح ، وهذا الكلام يرجع إلى الطب "۔(۲)

---

(۱) صاحب ہدایہ کی پوری عبارت یہ ہے: "ولو أقطر في إحليله لم يفطرعند أبي حنيفة ، وقال أبو يوسف : يفطر۔ وقول محمد مضطرب فيه ،فكأنه وقع عند أبي يوسف أن بينه وبين الجوف منفذا، ولهذا يخرج منه البول ، ووقع عند أبي حنيفة أن المثانة بينهما حائل ، و البول يترشح منه ، وهذا ليس من باب الفقه "۔(ہدایہ:۲/۲۶۴)

(۲) فتاوی خانیہ علی ہامش الھندیہ:۱/۲۱۱

(یعنی اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ مثانہ کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے اور پیشاب جو نکلتا ہے وہ بطریق ترشح نکلتا ہے، اور یہ کلام دراصل طب سے متعلق ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء نے منفذ ہونے نہ ہونے کی تحقیق کو باب فقہ سے نہیں بلکہ علم تشریح سے متعلق قرار دیا ہے، جس کو جاننے کے وہ مدعی نہیں بلکہ جس کے پاس جو بات اس علم سے ثابت ہوئی اس نے اس کے متعلق فتوی دیا ہے، لہذا اس قسم کی جدید تحقیقات پر بھروسہ کر کے مسائل فقہ پر غور کرنا درست ہے؛ کیونکہ فقہاء نے بھی اس پر اعتماد کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن مسائل کی بنیاد علم تشریح اعضاء پر نہیں بلکہ قرآن یا حدیث کی نص پر رکھی گئی ہے، ان میں اگرچہ فقہاء نے توضیح مطلب وافہام وتفہیم کے لئے اپنے زمانے کی تحقیقات بھی پیش کی ہوں، لیکن جدید تحقیقات کی رو سے ان مسائل میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی جاسکتی؛ کیونکہ یہاں مسئلہ کی بنیاد قرآن وحدیث کی نصوص ہیں۔ (۱)

اس اصول پر کہا جائے گا کہ بحالت روزہ سرمہ لگانا چونکہ نص سے ثابت ہے لہذا سرمہ لگانا مفسد صوم نہیں ہے؛ کیونکہ اس مسئلہ کی بنیاد نص ہے، نہ کہ علم تشریح کی تحقیقات، لہذا سرمہ کے جواز اور غیر مفسد ہونے میں کسی جدید تحقیق کی بنا پر ترمیم کی گنجائش نہ ہوگی۔

اب رہی یہ بات کہ آنکھ میں سرمہ ڈالنے کا جواز اور اس کا غیر مفسد ہونا کون سی

---

(۱) حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ''امداد الفتاوی'' میں ان دونوں اصولوں کی تصریح فرمائی ہے۔ دیکھو: ۲/ ۱۵۸

نص سے ثابت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بعض روایات میں اس کا ثبوت ملتا ہے، جیسے بیہقی نے روایت کیا ہے کہ رسول ﷺ سرمہ لگاتے تھے اس حال میں کہ آپ ﷺ روزے سے ہوتے۔ (۱)

اس حدیث پر محدثین نے نکارت اور ضعف کا حکم لگایا ہے؛ کیونکہ اس کے ایک راوی محمد بن عبید اللہ کے بارے میں جرح کی گئی ہے کہ منکر الحدیث ہیں۔ مگر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام حاکم ابو عبد اللہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ (۲)

علامہ ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو ابن خزیمہ کے حوالے سے نقل کر کے اس پر ضعف کا حکم لگایا ہے اور علامہ ہیثمی سے نقل کیا ہے کہ محمد بن عبید اللہ کی توثیق کی گئی ہے۔ (۳)

غرض یہ کہ یہ حدیث صحیح تو نہیں ہے مگر اتنی ضعیف بھی نہیں کہ نا قابل احتجاج ہو، بلکہ ایک درجہ میں قابل احتجاج ہے اور پھر بعض اور احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری آنکھ میں کچھ تکلیف ہے، کیا میں روزے کی حالت میں سرمہ لگا سکتا

---

(۱) روى محمد بن عبيد الله عن جده أن النبي ﷺ كان يكتحل بالإثمد وهو صائم ۔ (بیہقی: ۴/۴۳۶، الرقم، ۸۲۵۵)

(۲) اعلاء السنن: ۹/ ۱۱۷

(۳) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۴/ ۴۹

ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، لگا سکتے ہو۔(۱)

یہ روایت بھی ضعیف ہے؛ کیونکہ اس کا راوی ابو عاتکہ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے ،تاہم یہ روایت پہلی روایت کوتقویت دیتی ہے ، غرض سرمہ کے جواز اور غیر مفسد ہونے کی بنیاد طبی تحقیقات نہیں ۔لہذا اگر یہ ثابت بھی ہوجائے کہ آنکھ اور جوف معدہ میں کوئی منفذ ہے تب بھی سرمہ کے غیر مفسد ہونے کے حکم میں کوئی ترمیم نہ کی جائے گی اور یہ حکم برقرار رہے گا،ہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ بعض علماء کے نزدیک آنکھ میں سرمہ ڈالنا مفسد ہے مگر ان کے اس قول کی بنیاد بھی کوئی طبی تحقیق نہیں بلکہ بعض اوراحادیث ہیں جیسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار سرمہ لگانے سے بچے۔(۲)

مگر خود امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس کو منکر قرار دیا ہے اور علامہ البانی نے بھی اس پر تفصیل سے کلام کر کے اس کو منکر قرار دیا ہے۔(۳)

غرض یہ کہ علماء نے سرمہ کے مفسد ہونے نہ ہونے کا مدار احایث پر رکھا ہے،طبی

---

(۱)عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال:جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم ، فقال :اشتكت عيني ، أفأكتحل وأنا صائم؟قال: نعم۔

(ترمذی:۲/۹۷،الرقم،۷۲۶)

(۲)عن عبد الرحمن ابن النعمان عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أمر بالإثمد المروّح عند النوم وقال:لِيَتَّقِهِ الصائم۔

(ابوداؤد:۳/۱۵۶،الرقم،۲۳۶۹)

(۳)سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ:۳/۷۵

تحقیق پر نہیں، البتہ اگر طبی تحقیق سے یقینی طور پر ثابت ہو جائے کہ آنکھ اور جوف معدہ میں منفذ ہے تو دوسری دواؤں وغیرہ کے آنکھ میں ڈالنے کو مفسد قرار دیا جاسکتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ یہ نظریہ محض نظریہ نہ ہو بلکہ پایۂ تحقیق کو پہنچ جائے۔(۱)

روزہ میں آنکھ میں لینس (Lens) لگانا جائز ہے

ایک اہم سوال یہ ہے کہ میں نے آنکھ میں لینس لگایا ہے، اور اس کو سوتے ہوئے نکال دیا کرتا ہوں اور لینس کو ایک خاص للکویڈ (سیال مادہ) میں رکھنا پڑتا ہے پھر اسی پانی سے اٹھا کر آنکھ میں لگانا پڑتا ہے۔ اب رمضان قریب ہے، تو سوال یہ ہے کہ روزے کی حالت میں لینس آنکھ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ (کبیر الدین)

آنکھ میں لینس روزے کی حالت میں داخل کرنا جائز و درست ہے، اور جو سیال مادہ اس میں لگا ہوتا ہے، اس کے آنکھ میں جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ آنکھ میں دوائی ڈالنا جائز ہے، اسی طرح سرمہ لگانا جائز ہے۔ لہذا یہ پانی اگر آنکھ میں چلا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

ترکِ روزہ میں غیر مسلم یا فاسق ڈاکٹر کے قول پر عمل

جن عذروں کی بنا پر روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ان میں سے ایک ایسی

---

(۱) راقم حقیر نے اس مسئلہ طبیہ کی تحقیق کے لئے متعدد ڈاکٹروں سے رجوع کیا اور یہ تجویز رکھی کہ اس سلسلہ میں ایک سوال مرتب کر کے متعدد طبی سائنسی اداروں کو بھیجا جائے اور سب کے جوابات سامنے رکھ کر کسی نتیجہ پر پہنچا جائے۔

چنانچہ میرے بعض دوست ڈاکٹروں نے بعض اداروں کو سوالنامہ بھیجا مگر افسوس کہ دو سال ہو چکے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔

بیماری بھی ہے جو روزہ رکھنے سے کیفاً یا کماً بڑھ جانے والی ہو، مگر اس صورت میں روزہ ترک کر دینا اس وقت جائز ہوتا ہے جبکہ کسی مسلمان متقی ڈاکٹر نے ترکِ روزہ کا مشورہ و حکم دیا ہو جیسا کہ ''درمختار میں'' لکھا ہے کہ وہ ڈاکٹر حاذق مسلم اور کم از کم عدل نہ ہو تو مستور ہو کہ فسق ظاہر نہ ہو۔(۱)

لیکن موجودہ دور میں چونکہ ڈاکٹر زیادہ تر غیر مسلم یا فاسق ہی ملتے ہیں، اس لئے یہ بھی سوال کیا جاتا ہے کہ کیا ایسے حالات میں بھی مسلم وعدل کی قید و شرط لگائی جائے گی یا غیر مسلم و غیر عدل کے قول پر بھی ترکِ روزہ میں اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دورِ حاضر میں اگر چہ فسق ظاہر ہے اور عادل و باشرع ڈاکٹروں کا ملنا مشکل ہے مگر ناپید و معدوم نہیں، اس لئے ایسی صورت میں احتیاط اسی میں ہے کہ تلاش و جستجو سے کام لیکر باشرع ڈاکٹروں سے مشورہ کیا جائے، البتہ اگر کوئی ایسی جگہ ہے جہاں ایسے ڈاکٹر میسر ہی نہ ہوں تو وہاں غیر مسلم و غیر عدل ڈاکٹر کے قول پر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ اسلام کا احترام کرنے والا ہو، جیسے بعض دیگر صورتوں میں بھی علماء نے غیر مسلم ڈاکٹر کے قول پر مجبوری میں عمل کرنے کی اجازت

---

(۱)**وفي الدر**: [أو لمريض خاف الزيادة] ......بإخبارطبيب حاذق مسلم مستور......[الفطر]۔(درمختار مع شامی:۳/۴۰۳-۴۰۴)

وفي البحر : [لمن خاف زيادة المرض]بإخبار طبيب حاذق مسلم غير ظاهر الفسق [الفطر]۔(البحر الرائق:۲/۴۹۲)

وفي المراقي:لمن خاف زيادة المرض بإخبار طبيب مسلم حاذق عدل بداء، وقال الكمال : مسلم حاذق غير ظاهر الفسق جاز الفطر ۔ (مراقی الفلاح:۲۵۱)

دی ہے۔ مفتی نظام الدین صاحب اپنے ایک فتوی میں فرماتے ہیں:

”بغیر باشرع طبیب حاذق کی تشخیص ومشورہ کے ممنوعات شرعیہ کو استعمال نہیں کیا جا سکتا، ہاں اگر کوئی خطہ یا ملک ایسا ہو جہاں ایسا طبیب میسر ہی نہ آتا ہو تو وہاں بوجہ مجبوری مطلق طبیب حاذق جو مسلمانوں کے مذہب کا احترام اور اس کی رعایت کرتا ہو اور تجربہ اس پر شاہد ہو اور معتمد ومعتبر ہو خواہ غیر مسلم ہی ہو، اس کی تشخیص پر بھی استعمال کی گنجائش ہو جائے گی۔“(۱)

الغرض مجبوری میں اس پر عمل کیا جا سکتا ہے ورنہ عام حالت میں یہ شرط کہ ڈاکٹر مسلم ہو اور عدل یا کم از کم مستور ہو، فقہاء کے کلام میں بے وجہ نہیں ہے، اس کا بھی لحاظ کرنا چاہئے۔

بحالتِ روزہ کانوں میں دوا ڈالنا

کانوں میں کوئی چیز داخل کی جائے تو روزہ کا کیا حکم ہے؟ اس کے بارے میں حضراتِ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کانوں میں ایسی چیز داخل کی جس سے صلاح بدن متعلق ہے جیسے دوا یا تیل اور وہ جوف تک پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر ایسی چیز داخل کی جس سے صلاح بدن متعلق نہیں جیسے پانی تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔(۲)

(۱) ماہنامہ دارالعلوم: جلد ۵۳ شمارہ: ۱ /۳۷

(۲) وفي الهداية: أو أقطر في أذنه أفطر۔ (ہدایہ: ۲/ ۲۶۳)

وفي الدر: أو أقطر في أذنه دهنا قضى۔ (درمختار مع شامی: ۳/ ۳۷۶)..........

اور دوا یا تیل کان میں داخل ہونے کی صورت میں روزے کے فاسد ہونے کی وجہ یہی بتائی ہے کہ کانوں کے ذریعہ یہ دوا یا تیل جو صالح للبدن ہے، اور کسی صالح للبدن چیز کا جوف میں منفذ اصلی سے پہنچنا مفسد صوم ہے۔اور اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر ناک کی دوا یا تیل جوف تک نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ ناک میں کوئی خشک دوا ڈالی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر سیال دوا ڈالی جائے تو ٹوٹ جاتا ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً سیال چیز اندر جا کر جوف تک اپنا راستہ بنا لیتی ہے، برخلاف خشک دوا کے کہ وہ جوف تک عموماً نہیں پہنچتی۔اور اسی پر علامہ شامی نے ''فتح القدیر'' کے حوالے سے یہ وضاحت نقل کی ہے کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ناک کی دوا جوف تک پہنچے تو روزہ فاسد ہوگا ورنہ نہیں،لہذا اگر خشک دوا کے جوف تک پہنچنے کا یقین ہو جائے تو اس صورت میں بھی روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر سیال دوا کسی وجہ سے نہ پہنچے تو فاسد نہ ہوگا۔(۱)

............**وفي البحر**: أو أقطر في أذنه......أفطر۔(البحر الرائق:۲/ ۴۸۷)

[والدهن مفسد للصوم ، أما الماء فاختلف في كونه مفسدا للصوم ، فاختار في الهداية عدم الإفطار سواء دخل بنفسه أو أدخله ، وصححه في المحيط، وفي فتاوى قاضيخان : إن خاض الماء فدخل أذنه لا يفسد، وإن صب الماء في أذنه فالصحيح أنه يفسد۔

كذا في البحر:۲/ ۴۸۷، وفي الشامي:۳/ ۳٦۷،وفي المراقي:۲۴۵)

(۱)**في الدر المختار** :(فوصل الدواء حقيقة) **قال الشامي**:أشار إلى أن ما وقع في ظاهر الرواية من تقييد الخ۔

(شامی:۳/ ۳۷٦)

فقال ابن نجيم: لأنه وصل إلى الجوف۔(البحر الرائق:۲/ ۲۷۸)

اور کان میں پانی داخل ہونے کی صورت میں اختلاف ہے کہ روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ بعض نے فساد کا اختیار کیا ہے، اور اس کی وجہ جوف دماغ میں پانی کا پہنچنا قرار دیا ہے، اور اکثر نے اس صورت میں عدم فساد کا قول اختیار کیا ہے، اور فاسد نہ ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ پانی صالح للبدن نہیں ہے، بلکہ کانوں میں اس کا داخل ہونا نقصان دہ ہے، لہذا نقصان دہ چیز بدن میں داخل ہو اور منہ سے داخل ہو تو روزہ فاسد ہوجاتا ہے، اور منہ سے نہ ہو تو فاسد نہیں ہوتا۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ روزہ فاسد ہوتا ہے دو صورتوں میں: ایک اس وقت جب صورت کے لحاظ سے افطار ہو یا اس وقت جب معنے کے لحاظ سے افطار پایا جائے۔ اگر صورۃً اور معنےً کسی بھی طرح افطار نہ پایا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا، اور صورۃً افطار یہ ہے کہ کوئی بھی چیز فطری طریقہ سے کھائی جائے یعنی منہ کے ذریعہ جوف میں داخل کی جائے اور معنے کے لحاظ سے افطار یہ ہے کہ کوئی مفید چیز جوف میں داخل ہو۔ لہذا اگر بدن میں منہ کے علاوہ کسی اور جگہ سے کوئی چیز پہنچائی جائے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ مفید بدن ہے یا نہیں؟ اگر مفید ہے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا اور اگر مفید نہیں ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں صورت کے لحاظ سے بھی افطار نہیں پایا گیا اور معنے کے لحاظ سے بھی نہیں پایا گیا۔ پس کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجائے گا کہ یہ مفید بدن ہونے کی وجہ سے معنےً افطار ہے اور پانی سے فاسد نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ فطری طریقہ پر کھانا نہ ہونے کی وجہ سے صورۃً افطار بھی نہ ہوا اور مفید بدن نہ ہونے کی وجہ سے معنےً بھی افطار نہیں ہوا۔ (۱)

الحاصل کان اور جوف معدہ و جوف دماغ کے مابین منفذ ہونے کی وجہ سے

(۱) دیکھو: مراقی الفلاح: ۲۵۲

فقہاء نے کان میں دوا و تیل ڈالنے کو مفسد صوم قرار دیا ہے، بشرطیکہ اس کا جوف تک پہنچنا یقینی ہو۔ مگر اب جدید تحقیقات کے حوالہ سے ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ کان اور دماغ اور معدہ کے مابین کوئی منفذ نہیں ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ حضراتِ فقہاء کرام نے اپنے زمانہ کی تحقیقات کے مطابق ان مسائل میں حکم شرعی بیان کیا ہے۔ اگر ان کے سامنے اس کے خلاف دوسری تحقیق ہوتی تو دوسرا حکم بیان فرماتے، لہٰذا اگر جدید تحقیقات پوری طرح تسلی و اطمینان کر دیں کہ کان و معدہ و دماغ کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے کوئی چیز کان کے ذریعہ جوف تک نہیں پہنچتی تو پھر کہا جائے گا کہ کان میں دوا وغیرہ ڈالنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ البتہ پھر بھی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو مفسد صوم قرار دیا جائے جیسے فقہاء نے بعض اور مسائل میں احتیاط کی وجہ سے حکم لگایا ہے۔

روزہ میں (NEBULIZER-PUMP) کا استعمال

آستما (ASTHMA) کے بیماروں کے لئے ایک پمپ تیار کیا گیا ہے جس کو (NEBULIZER-PUMP) کہا جاتا ہے۔ اس پمپ کو دبانے سے منہ کے ذریعہ دوا- جو دھویں کی شکل میں ہوتی ہے- پھیپڑوں میں پہنچتی ہے اور مریض فوری طور پر راحت محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح بعض اور اسپرے { SPRAY } اس بیماری کے لئے ایجاد ہو چکے ہیں۔

ان کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں علماء معاصرین میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض حضرات جیسے شیخ عبد العزیز بن باز، شیخ العثیمین، شیخ ابن جبرین وغیرہ نے اس کو غیر مفسد قرار دیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس کو مفسد قرار دیا ہے۔

جو حضرات اس کو غیر مفسد کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس آلے میں کل دس ملی لیٹر سیال دوا ہوتی ہے اور اس مقدار کو دو سو مرتبہ اسپرے کیا جا سکتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ میں ایک انتہائی قلیل مقدار اس سے آدمی کے منہ میں داخل ہوتی ہے اور یہ مقدار اولاً تو حلق میں اور وہاں سے جوف میں داخل نہیں ہو سکتی اور اگر داخل بھی ہوئی تو اس قدر قلیل مقدار کو مفسد نہیں کہا جائے گا۔(۱)

اور جو حضرات اس کو مفسد کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس پمپ کے ذریعہ دوا جوف کے اندر پہنچتی ہے، اگر چہ کہ وہ مقدار کے لحاظ سے بہت کم ہی کیوں نہ ہو، اور روزے کے فاسد ہونے میں کم یا زیادہ مقدار کا کوئی فرق نہیں ہے، ایک چیز اگر زیادہ مقدار میں مفسد ہے تو وہ کم مقدار میں بھی مفسد ہے۔ لہذا اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اس پر ہم نے او پر انہیلر کے مسئلے میں بحث کر دی ہے۔

ہاں جو مریض اس کے بغیر رہ نہیں سکتا اور بیماری کے شدید ہونے کا خطرہ ہو یا شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو تو اس کو اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور جب طبیعت ٹھیک ہو جائے تو قضا کرے یا اگر اس کا بھی امکان نہ ہو تو پھر فدیہ دیدے۔

گیس (GAS) سے روزہ پر اثر

آج کل گیس (GAS) کا استعمال عام ہو گیا ہے، پکوان کے لئے بھی اور روشنی کے لئے بھی، یہ گیس سلنڈروں میں بھری ہوتی ہے اور کبھی کسی غلطی یا خرابی کی وجہ سے خارج ہونے لگتی ہے اور اس کی بو سے اس کو ہر کوئی محسوس بھی کر سکتا ہے، روزہ کی حالت میں اگر یہ گیس منہ یا ناک کے ذریعہ حلق میں داخل ہو جائے تو کیا روزہ فاسد ہو جائے گا؟

---

(۱) دیکھو: المفطرات المعاصرة للشيخ خالد بن علي المشيقح

اس کا جواب یہ ہے کہ گیس خواہ بالقصد یا بلا قصد منہ سے یا ناک سے اندر داخل ہو جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا؛ کیونکہ گیس ایک ہوا ہے، اور ہوا کے اندر داخل ہونے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ اسی لئے کسی خوشبو یا بدبو کے سونگھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

اس کتاب کی سابقہ اشاعت میں احقر نے گیس کو دھویں پر قیاس کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ بلا قصد اگر یہ اندر چلا جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا لیکن اگر بالقصد داخل ہوا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور لکھا تھا کہ اس کی نظیر فقہاء کا بیان کردہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر گرد وغبار یا دھواں خود بخود بلا قصد کے حلق میں چلا جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر بالقصد داخل کیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، وراس مسئلہ کی علت یہی بیان کی ہے کہ گرد وغبار اور دھویں سے بچنا ممکن نہیں ہے اور جس صورت میں ممکن ہے وہاں بالقصد داخل کرنا مفسد صوم ہے۔ گیس کی صورت بھی تقریباً ایسی ہی ہے، لہٰذا بلا قصد داخل ہو جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر بچنا ممکن ہو اور پھر بھی بچنے کی کوشش نہ کرکے گیس حلق میں داخل کرلیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

لیکن اب میں اس سے رجوع کرتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ اس کو دھویں کے بجائے ہوا پر قیاس کرنا اقرب ہے، لہٰذا گیس سے کسی بھی صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

روزے میں دوائی غرغرہ کرنے کا حکم

روزے کی حالت میں اگر کسی ضرورت مند کو دوائی غرغرہ کرنا پڑے مثلاً حلق یا گلے میں سخت تکلیف ہے اور ڈاکٹر نے اس کو دوا دی کہ اس سے غرغرہ کیا جائے تو کیا روزے کی حالت میں اس کا استعمال جائز ہے؟ اور کیا اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت شدیدہ میں اس کا ستعمال کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، مگر سخت احتیاط کرنا ہوگا کہ کہیں حلق کے نیچے یہ دوائی نہ چلی جائے، اگر حلق کے نیچے چلی گئی تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ وھو ظاہر۔

علامہ شیخ العثیمین سے سوال کیا گیا کہ:

”ھل یبطل الصوم باستعمال دواء الغرغرة ؟

تو جواب لکھا کہ:

” لا يبطل الصوم إذا لم تبتلعه ، ولكن لا تفعله إلا إذا دعت الحاجة ولا تفطره إذا لم يدخل جوفك شيء منه “ (۱)

روزہ میں آکسیجن (OXYGEN)

روزہ کی حالت میں آکسیجن دینے سے روزہ باقی رہتا ہے یا فاسد ہو جائے گا؟
اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ۔جیسے اور قسم کے گیس (GAS) کے اندر داخل ہونے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیونکہ آکسیجن ایک ہوا ہے اور اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ آکسیجن میں کوئی اور چیز دوا وغیرہ کی ملاوٹ نہ ہوتی ہو۔ اور اگر اس کے ساتھ کوئی چیز ملائی جاتی ہو (جس کی احقر کو تحقیق نہیں ہو سکی) تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور اس صورت میں اس شخص پر جس کو روزہ میں آکسیجن دیا جائے، بعد میں اس کی قضا کرنا لازم ہوگا، کفارہ نہیں۔ (۲)

---

(۱) فتاوی الشیخ العثیمین :۱۹/ ۲۹۰

(۲) لأنه مضطر فلا كفارة عليه ، كما في المراقي :۲۴۱

اس مسئلہ میں کتاب کے سابقہ اڈیشن میں آکسیجن سے روزہ کے فاسد ہونے کا حکم لکھا گیا تھا، اور اس کی بنیاد یہی تھی کہ آکسیجن میں دوائیاں ملائی جاتی ہیں، لیکن بعد میں جب معلومات کی گئیں تو اس مسئلہ میں دو قسم کی باتیں ڈاکٹروں سے معلوم ہوئیں، لہذا اب دونوں شقوں کے لحاظ سے مسئلہ لکھا گیا ہے۔

طباخ کو روزہ کی حالت میں سالن وغیرہ چکھنا

ہوٹلوں میں اور فیکٹریوں وغیرہ میں جو لوگ پکانے کا کام کرتے ہیں، ان کو روزانہ اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ کھانا اور سالن وغیرہ کو چکھ کر دیکھا جائے، فقہاء کرام نے اس عورت کو جس کا شوہر بدمزاج ہو اور اس غلام کو جس کا آقا ظالم ہو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ روزہ میں سالن وغیرہ چکھ کر دیکھ لے۔(۱)

اب سوال یہ ہے کہ ہوٹلوں وغیرہ کے طباخ و باورچی کو کیا حالتِ روزہ میں چکھنے کی اجازت ہو سکتی ہے؟

راقم کا خیال یہ ہے کہ اجازت ہونی چاہئے ؛ کیونکہ فقہاء کرام نے بلا عذر کسی چیز کے روزہ میں چکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، اور یہاں عذر موجود ہے، جیسے عورت اور غلام کے مسئلہ میں عذر موجود ہے۔

طباخ کا گذران ہی اس کے اس پیشہ پر ہوتا ہے اور اس پیشہ کے لئے یہ چیز

(۱)فقال:الذوق بعذر لا يكره كما في الخانية فيمن كان زوجها سيء الخلق أو سيدها لابأس بأن تذوق بلسانها۔(البحر الرائق:۲/۴۸۹)

وفي الدر:[وكره ذوق شيء ومضغه بلاعذر] قيد فيهما۔ قاله العيني: ككون زوجها أو سيدها سيء الخلق فذاقت۔(درمختار مع شامی:۳/۳۹۵)

لازم ہے کہ چکھ کر مزہ معلوم کرے، ورنہ اس کے پیشہ پر اثر اور ملازمت میں خلل آسکتا ہے، یہ عذر ایک اعتبار سے غلام اور عورت کے عذر سے بھی شدید ہے لہٰذا احقر کی رائے یہ ہے کہ طباخ کو حالتِ روزہ میں اپنے کام کے موقع پر چکھنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ (واللہ اعلم)

یہاں تک لکھنے کے بعد "الفقہ علی المذاہب الاربعۃ" دیکھا تو اس میں حنفیہ کے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے طباخ کو بھی چکھنے کی اجازت بتائی ہے۔ (۱)

روزہ میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل

روزہ کی حالت میں گرمی کو دفع کرنے اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا یا پانی میں تر کیا ہوا کپڑا لپیٹنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اس سلسلے میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔ علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ روزہ دار کے لئے نو چیزیں مکروہ نہیں اور ان میں ٹھنڈک کے لئے غسل کرنے اور تر کپڑے سے اپنے کو لپیٹنے کا ذکر کرکے بتایا ہے کہ یہی مفتی بہ قول ہے۔ (۲)

---

(۱) الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ۱/۵۶۹

نیز علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ نے بھی اجیر (مزدوری پر پکانے والے) کو اجازت دی ہے۔ فقال: وللمرأة ذوق الطعام إذا كان زوجها سيء الخلق......وكذا الأمة قلت وكذا الأجير۔ (مراقی: ۲۴۸)

(۲) فقال: وسبعة أشياء لا تكره للصائم ......والاغتسال والتلفف بثوب مبتل للتبرد على المفتى به، (نور الایضاح مع مراقی: ۲۴۸-۲۴۹)

وفي الدر: لا تكره حجامة وتلفف بثوب مبتل ومضمضة أو استنشاق أو اغتسال للتبرد عند الثاني وبه يفتى (درمختار مع شامی: ۳/۳۹۹)

نیز عالم گیری میں ہے کہ یہی قول ظاہر الروایہ ہے۔(۱)

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر درمیان سفر میں مقام عرج پر روزہ کی حالت میں پیاس یا سخت گرمی کی وجہ سے اپنے سر پر پانی ڈالا تھا اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔(۲)

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں کپڑا تر کرکے لپیٹ لیا کرتے تھے۔(۳)

مگر امام ابوحنیفہ نے روزہ کی حالت میں اس سے منع فرمایا ہے؛ کیونکہ اس سے بے صبری اور بے چینی کا مظاہرہ ہوتا ہے جو اچھی بات نہیں۔(۴)

---

(۱)وکره الاغتسال وصب الماء على الرأس والاستنقاع في الماء و التلفف بالثوب المبلول ، وقال أبويوسف:لا يكره وهو الأظهركذا في محيط السرخسي۔(عالمگیری:۱/۲۲۰)

(۲)قال أبوبكر: قال الذي حدثني:لقد رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالعرج يصب على رأسه الماء وهو صائم من العطش أو من الحر۔
(ابوداود بہ تحقیق عوامہ:۳/۱۵۲،الرقم ،۲۳۵۷،سنن کبری للنسائی:۳/ ۲۸۸، الرقم: ۳۰۱۷،سنن کبری للبیھقی:۴/ ۴۳۸،الرقم ،۸۲۶۱)

(۳)عن عبدالله بن أبي عثمان قال :رأيت ابن عمر وهو صائم ، يبل الثوب ثم يلقه عليه ، وكذا يفعله عثمان بن أبي العاص وعبدالرحمن بن الأسود و غيرهم۔(مصنف ابن ابی شیبۃ:۶/۱۸۶-۱۸۷)

(۴)فقال : وكرهها أبو حنيفة لما فيها من إظهار الضجرفي العبادة۔
(شامی:۳/۴۰۰،مراقی:۲۴۹،خانیہ علی ہامش الھندیہ:۱/ ۲۰۵)

لہذا بلاضرورت شدیدہ کے ایسا نہ کرے ،ہاں اگر شدید ضرورت محسوس ہو تو جمہور کے قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں اور اسی پر فتوی بھی ہے جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔

آرام دہ سواریوں کے ذریعہ سفر میں روزہ

آج کے اس سائنسی دور میں انسانوں کی راحت و آرام کے لئے ہزار ہا چیزیں ایجاد ہوتی جارہی ہیں اور اس میں اضافہ و ترقی بھی ہوتی جارہی ہے ،اس سلسلے میں سفر کی مشکلات و مصائب پر قابو پانے کے لئے اور سفر میں آرام و راحت کی تحصیل کی خاطر آرام دہ سواریاں ایجاد ہوگئیں ،جن سے ایک طرف طویل سفر قصیر مدت میں پورا ہو جاتا ہے تو دوسری طرف ان میں راحت کے اسباب بھی ہوتے ہیں ،ایسی سواریوں پر سفر کرتے ہوئے روزہ کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب سے قبل ذہن میں رہے کہ احادیث میں سفر میں روزے کے بارے میں تین طرح کے احکام ملتے ہیں ۔بعض میں سفر میں روزہ کو افضل بتایا گیا ہے اور بعض میں روزہ ترک کرنے کو افضل قرار دیا ہے اور بعض میں دونوں باتوں میں اختیار دیا گیا ہے۔

حضرت انس سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس نے (سفر) میں روزہ نہ رکھا تو اس کو رخصت ہے اور جس نے روزہ رکھا تو روزہ رکھنا افضل ہے۔(۱)

بخاری میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ سفر میں روزہ

---

(۱) عن أنس رضي الله عنه (مرفوعا)من أفطر فرخصة ومن صام فالصوم أفضل ، يعني في السفر.(اعلاء السنن:۹/۱۵۱-۱۵۲، کنز العمال:۸/۵۰۵،الرقم ،۲۳۸۵۳)

رکھنا کوئی بھلائی کا کام نہیں۔(۱)

اور ابوداؤد میں ہے کہ حضرت حمزہ اسلمی نے اللہ کے نبی علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں ہمیشہ سفر میں رہتا ہوں مگر میرے میں قوت وطاقت ہے تو رمضان میں میں روزہ رکھوں یا نہ رکھوں ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :جیسی مرضی ہو ویسا کر لینا۔(۲)

پہلی حدیث سے سفر میں روزہ کا افضل ہونا، دوسری سے ترک روزہ کا افضل ہونا اور تیسری سے دونوں باتوں میں اختیار ہونا معلوم ہوا۔ علماء وفقہاء نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جس کو برداشت کی قوت ہو اس کے لئے سفر میں روزہ افضل ہے اور جس کے لئے کلفت کا سبب ہو اس کے لئے ترک روزہ افضل ہے جہاں مشقت متحقق نہ ہو وہاں اختیار ہے۔(۳)

---

(۱)عن جابربن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال :کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم في سفر فرأی زحاماً ورجلا قد ظلل علیه ، فقال : ما ھذا؟ قالوا صائم ، فقال :لیس من البر الصوم في السفر۔

(بخاری:۳۶۹،الرقم:۱۹۴۶، مسلم:۴۳۲،الرقم:۱۱۱۵،ترمذی:۸۲/۲،الرقم:۷۱۰، ابوداود:۲۷۳،الرقم،۲۴۰۷،ابن ماجہ:۱۶۳/۳،الرقم،۱۶۶۴)

(۲)عن حمزة الأسلمي قال قلت : یا رسول اللّٰه ، إني صاحب ظھر أعالجه أسافرعلیه و أکریه و إنه ربما صادفني ھذا الشھر یعني رمضان وأنا أجد القوة و أنا شاب وأجد بأن أصوم یارسول اللّٰه أھون علي من أن أُؤَخِّره فیکون دیناً أ فأصوم یارسول اللّٰه أعظم أجري أو أفطر، قال: أي ذلك شئت یا حمزة۔(ابوداؤد:۲۷۳،الرقم:۲۴۰۳)

(۳)ترمذی:۸۲/۲، فتح الباری:۳۳۳/۵-۳۳۴،عمدۃ القاری:۶۲/۱۱

اس تفصیل سے مسئلہ مبحوث عنہ کا جواب نکل آیا کہ کوئی اور عذر نہ ہو تو آرام دہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے۔

رمضان میں دن میں ہوٹل چلانا

آج کل شہروں میں اور بڑے قصبات میں ہوٹلوں کا عام رواج ہو گیا ہے، اور ان کے مالکوں اور ان میں کام کرنے والوں کا گزارہ بھی انہی ہوٹلوں سے وابستہ ہے اور ان میں مسلم وغیر مسلم سبھی آتے اور کھاتے پیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ رمضان المبارک میں دن کے وقت ہوٹل چلانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری نے فرمایا: کہ رمضان کے احترام کی خاطر دن کے وقت ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے۔ کھانے پینے والے خواہ کسی بھی مذہب کے ہوں۔ (۱)

مگر راقم کا خیال یہ ہے کہ رمضان میں دن کے وقت ہوٹل بند رکھنا اچھا ہے مگر اس کو ضروری قرار دینا دشوار ہے؛ اس لئے کہ شریعت میں بعض لوگوں کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے جیسے مسافر، مریض، دودھ پیتے بچے کی ماں، جبکہ روزہ رکھنے سے نقصان کا اندیشہ ہو، ایسے ہی حاملہ عورت اور بہت ہی بوڑھا آدمی (جس کو فقہاء شیخ فانی سے تعبیر کرتے ہیں) ان سب کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ (۲)

---

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۵/ ۱۹۷

(۲) فقال: لمن خاف زيادة المرض الفطر وللمسافر؛ وقال: وللحامل والمرضع إن خافتا على الولد أو النفس؛ وقال: وللشيخ الفاني۔

(البحر الرائق: ۲/ ۴۹۲-۵۰۱، ہدایہ: ۲/ ۲۶۷-۲۷۰، درمختار مع شامی: ۳/ ۴۰۳-۴۰۴)

اگر یہ لوگ کھا پی سکتے ہیں تو ان کے لئے کھانا فراہم کرنا بھی کوئی غلط کام نہ ہونا چاہئے، لہذا ہوٹل والا اس نیت سے ہوٹل چلائے کہ اس قسم کے لوگ جن کو شریعت نے اجازت دی ہے کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں، وہ کھائیں پئیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔ اور شہروں کا حال یہ ہے کہ وہاں دن رات ہزاروں مسافر آمد و رفت کرتے ہیں، نیز بہت سے بڑے بڑے ہسپتال شہروں میں ہوتے ہیں، جہاں مریضوں کے ساتھ تیمار دار لوگ رہتے ہیں، ان میں بھی بہت سے دوسرے شہروں اور علاقوں سے آئے ہوئے ہوتے ہیں اور مسافر ہوتے ہیں ایسے لوگوں کی سہولت کے لئے جب شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے تو ان لوگوں کو کھانے کی فراہمی غلط کیوں؟ اور یہ سب محض خیالات نہیں بلکہ واقعات ہیں، لہذا میری رائے میں رمضان میں ہوٹل چلانا فی نفسہ کوئی غلط نہیں اور بند رکھنا واجب نہیں۔

البتہ ہوٹل والوں کو چاہئے کہ رمضان میں کھانے کی جگہ پر پردوں کا اہتمام وانتظام کریں اور ایک بورڈ پر یہ اعلان لکھدیں کہ یہاں صرف ان کے لئے کھانے کا انتظام ہے جن کو روزہ رکھنے سے کوئی شرعی عذر ہے، لہذا بے عذر کوئی صاحب زحمت نہ فرمائیں۔

اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص بلا عذر آتا اور کھاتا ہے تو ہوٹل والے پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور پردوں کی بات اس لئے عرض کی گئی کہ فقہاء نے صاحب عذر کو بھی چھپ کر کھانے کی ہدایت فرمائی ہے، اگرچہ ایک قول یہ ہے کہ علی الاعلان اور سب کے سامنے بھی کھا سکتا ہے۔ مگر احتیاط اسی میں ہے کہ چھپ کر کھائے، لہذا

اس کے پیش نظر پردہ ڈالدینا اچھا ہے۔(۱)

روزے میں ڈائلیسس { DIALYSIS } کا حکم

آج کا دور بیماریوں کا دور ہے، مختلف قسم کی بیماریاں اور نئی نئی بیماریاں پیدا ہوتی جارہی ہیں، ان میں ایک عام بیماری گردے کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے گردہ اپنا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے، اور اس کے نتیجے میں خون کے اندر فاسد مادہ جمع ہوجاتا ہے، جوگردے کے صحیح ہونے کی صورت میں اس کے عمل سے بدن سے خارج ہوجایا کرتا ہے، لہذا خون کو اس فاسد مواد سے صاف کرنے کے لئے گردہ کا کام مشینوں (مصنوعی گردے) سے لیا جاتا ہے، جس کو {DIALYSIS} کہا جاتا ہے، اور اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ایک ٹیوب لگا کر رگوں سے خون کے اندر کے فاسد عناصر ومواد کو خارج کیا جاتا اور دوسرے ٹیوب کے ذریعہ صالح خون کو دوبارہ بدن میں داخل کیا جاتا ہے اور خون کی اس صفائی کے لئے ضروری دوائیاں استعمال کی جاتی ہیں جو خون کو صاف کرتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ روزے کی حالت میں اگر ڈائلیسس کرایا جائے تو اس کا کیا حکم

---

(۱) چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ: رمضان میں جو بیمار ہو یا حائضہ، اس کو روزہ داروں کے روبرو پان یا روٹی وغیرہ کھانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ :في النهاية :قيل: تأكل الحائض سراً، وقيل : هي والمسافر والمريض جهراً ۔ (جامع الرموز:۱/۱۶۳)اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ پوشیدہ ہوکر کھاوے۔ ذکره مولانا التهانوي رحمہ اللہ معزيا إلى جامع الرموز۔ (امداد الفتاوی:۲/۱۴۲)

ہے، اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ اس کے جواب میں علماء کے خیالات مختلف ہیں، عام طور پر علماء عرب کا رجحان یہ ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کارروائی میں انسان کے جسم میں دوائیاں پہنچائی جاتی ہیں، لہذا اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔

سعودی عرب کے مشہور دار الافتاء ''اللجنۃ الدائمۃ'' کے بڑے بڑے مفتی حضرات علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز، علامہ عبدالرزاق العفیفی، اور شیخ عبداللہ بن غدیان نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ مستشفی الملک فیصل اور ریاض کے فوجی ہسپتال کے مدیر سے اس مسئلے کی نوعیت کو جاننے کے بعد لجنہ کا یہ فتوی ہے کہ ڈائلیسس سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ (۱)

اور علامہ شیخ محمد بن صالح العثیمین نے اس مسئلہ میں تردد کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

> کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ گردے صاف کرنے کا عمل حجامت (پچھنے لگانے) کی طرح نہیں ہے، حجامت میں تو خون بدن سے نکالا جاتا ہے، اور بدن میں لوٹایا نہیں جاتا، اور حدیث کے مطابق حجامت سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، اور ڈائلیسس میں خون کو نکال کر صاف کر کے بدن میں لوٹایا جاتا ہے۔ لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں اس کے ساتھ کوئی غذائی مادہ بھی جو کھانے پینے سے مستغنی کردینے والا ہوتا ہے وہ اس میں شامل ہو پس اگر ایسا ہے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔ لہذا جس شخص

---

(۱) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: ۱۰/۱۹۰-۱۹۱

کو روزانہ اس میں مبتلا ہونے کی نوبت آتی ہے وہ اس مریض کے
حکم میں ہے جس کو امید صحت نہ ہو، اور وہ ہر دن مسکین کو فدیے میں
کھانا کھلائے۔ اور اگر کسی دن یہ عمل ہوتا ہو اور کسی دن نہیں تو اس کو
ڈائلیسس کے دن کا روزہ چھوڑ دینا اور بعد میں قضا کر لینا چاہئے۔
اور اگر ڈائلیسس میں کوئی غذائی مواد شامل نہیں ہوتا، بلکہ صرف
خون کی صفائی ہوتی ہے تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔(۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی غذائی مادہ خون میں شامل کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے اس مریض کا روزہ فاسد ہو جائے گا، لیکن اگر غذائی مادے کے بجائے صرف کوئی دوائی مواد خون کی صفائی کے لئے شامل کیا جاتا ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

اور شیخ عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ نے روزے کی حالت میں مریض گردہ کے خون کی تبدیلی کے سوال پر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ:

" يلزمه القضاء بسبب ما يزود به من الدم النقي ،
فإن زود مع ذلك بمادة أخرى فهي مفطر آخر "۔(۲)

یہ سارے فتاوی اس بنیاد پر ہیں کہ خون کے ساتھ غذائی مواد یا کیمیاوی مواد اندر داخل کیا جاتا ہے، لہذا اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اور عام طور پر علماء عرب کے نزدیک بدن میں غذائی مواد کسی بھی طرح داخل ہو جانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، مگر قابل غور بات یہ ہے کہ ڈائلیسس میں اگر چہ خون کے ساتھ غذائی یا کیمیاوی مواد بدن میں داخل کیا جاتا ہے، مگر یہ رگوں کے ذریعہ داخل کیا جاتا ہے، نہ کہ منفذ

(۱) فتاوی الشیخ العثیمین: ۱۹/ ۱۱۳-۱۱۴

(۲) فتاوی بن باز: ۱۵/ ۲۷۵

اصلی سے، اور یہ بات انجکشن کے مسئلے کے تحت واضح کر دی گئی ہے کہ بدن کے اندر کسی چیز کا پہنچنا یا پہنچانا دو شرطوں کے ساتھ مفسد ہوتا ہے: ایک تو یہ کہ یہ چیز جوف بند میں پہنچے اور دوسرے یہ کہ منفذ اصلی کے راستے سے پہونچے۔ اگر کوئی چیز بدن میں اندر داخل ہوئی مگر جوف میں نہیں گئی یا جوف میں تو گئی مگر منفذ اصلی سے نہیں گئی تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ لہذا ڈائلیسس میں غذائی و کیمیاوی مواد خون میں شامل کر کے اندر پہنچایا جاتا ہے مگر یہ منفذ اصلی سے نہیں، بلکہ رگوں سے پہنچایا جاتا ہے۔ لہذا اس سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہیئے۔ تاہم احتیاط یہی ہے کہ روزے کی حالت میں اس سے احتیاط کی جائے یا کم از کم رات کے وقت کرایا جائے۔

روزے میں ''انیما'' [ENEMA] کا حکم

پیٹ کی صفائی کے لئے ڈاکٹر لوگ ''انیما'' [ENEMA] دیتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ پیچھے کے راستے سے دوا پہنچاتے ہیں، اس کو عربی میں احتقان کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہوتا ہے؛ کیونکہ اس سے مقعد کے ذریعہ دوا اندر پہنچتی ہے، اور یہ مفسد صوم ہے۔ حضرات فقہاء نے احتقان کا مسئلہ صراحت کے ساتھ لکھا ہے اور اس کو مفسد قرار دیا ہے۔

" و إذا احتقن ..... افطر" ۔(۱)

اور ''بدائع الصنائع'' میں ہے کہ:

"وما وصل إلى الجوف أ و إلى الدماغ عن المخارق الأصلية كالأنف والأذن والدبر بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه فوصل إلى

(۱) البحر الرائق: ۲/ ۲۹۹، الدر المختار: ۲/ ۴۰۲

الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه" ۔(۱)

دائم المرض کا حکم

بعض امراض ایسے ہوتے ہیں کہ عموماً ان سے شفاء نہیں ہوتی، اور ایسے مریض دائم المرض ہوتے ہیں، جیسے ذیابیطس، بلڈ پریشر، گردے کی بیماری، وغیرہ۔ اگر کوئی مریض اس قسم کے مرض کا شکار ہو تو ایسے مریض پر روزہ رکھنا ضروری ہے یا اس کے لئے کوئی چھوٹ ہے اور اگر ہے تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دائم المرض آدمی اگر ایسی بیماری میں مبتلا ہے کہ اس پر روزے کا کوئی اثر نہیں پڑتا تو اس کو روزہ رکھنا چاہئے اور اگر روزہ رکھنے سے نقصان کا اندیشہ ہو اور مسلمان دیندار ڈاکٹر اس کی تصدیق کرے تو اس کو روزہ ترک کر کے اس کے بدل فدیہ دینے کی گنجائش ہے۔ یہ حکم فقہاء کے بیان کردہ شیخ فانی کے حکم سے مستنبط کیا جا سکتا ہے۔ شیخ فانی کے سلسلہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کو روزے کے بدلے میں فدیہ دے دینا چاہئے۔ اور شیخ فانی کی تعریف میں کہا ہے کہ:

" الذي فنيت قوته أو أشرف على الفناء" ۔

اور بعضوں نے کہا کہ:

" الذي كل يوم في نقص إلى أن يموت " (۲)

اور شیخ فانی کو روزہ نہ رکھنے اور فدیہ دیدینے کی اجازت کا مدار فقہاء نے روزہ رکھنے سے اس کا مایوس ہو جانا لکھا ہے۔ ''المحیط البرھانی'' میں ہے کہ:

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۲۲۲

(۲) شامی: البحر الرائق: ۲/۳۰۸

و أما الشيخ الفاني يفطر و يفدي ....لأنه وقع اليأس له عن الصوم ؛ لأن الشيخ الفاني أن يكون عاجزاً عن الأداء في الحال ، و يزداد عجزه كل يوم إلى أن يموت "(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اصل علت جواز فدیہ کی یأس ومایوسی ہے۔

اوراسی لئے - بقول صاحب المحیط البرھانی - فقہاء نے بیماراور شیخ فانی میں فرق کیا ہے کہ شیخ فانی میں یأس ہوتی ہے، جبکہ بیمار میں یأس نہیں ہوتی ، اور وجوب فدیہ کی شرط تحقق یأس ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ فانی کے لئے جواز افطار و وجوب فدیہ کی علت روزہ رکھنے سے مایوس ہوجانا ہے۔لہذا اگر یہ علت مریض میں پائی جائے مثلا مریض ایسا ہو کہ اس کی صحت یابی کی امید نہ ہو،اور روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہو، یا اس کی انتہاء موت ہو،تو اس کا حکم بھی یہی ہونا چاہئے کہ وہ فدیہ دیدے۔

صاحب المحیط البرھانی نے اوپر کی تفصیل لکھنے کے بعد اسی بات کو مشائخ کی جانب منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"قال مشائخنا : إذا كان مريضاً يعلم أن آخره الموت ، و ابتدأ ذلك حتى أمكنه الإيصاء ، يجعل في هذه الحالة بمنزلة الشيخ الفاني ، و هذا شيء يجب أن يحفظ جداً "(۲)

---

(۱)المحیط البرھانی:۲/ ۶۵۵

(۲)المحیط البرھانی:۲/ ۶۵۵

عرب کے مشہور فقیہ شیخ العثیمین نے بھی یہی فتوی دیا ہے، وہ اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

وخلاصة ذلك أن المرض قسمان : مرض طارئ يرجى زواله ، فهذا ينتظر حتى يعافيه الله ، ويقضي ، و مرض ملازم ، فهذا يطعم كل يوم مسكينا "۔(۱)

اسی طرح شیخ بن باز نے ایک سائل کے جواب میں جو آدھے جسم پر فالج گرجانے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا تھا، اس کے جواب میں لکھا ہے کہ:

" إذا قرر الأطباء المختصون أن مرضك هذا من الأمراض التي لا يرجى برؤها ، فالواجب عليك إطعام مسكين عن كل يوم من أيام رمضان ولا صوم عليك ، أما إذا قرروا أنه يرجى برؤه فلا يجب عليك إطعام و إنما يجب عليك قضاء الصيام إذا شفاك الله من المرض "(۲)

الغرض جو بیمار دائمی بیماری میں مبتلا ہو اور صحت یابی کی کوئی امید نہ ہو تو اس کو بھی شیخ فانی کی طرح جائز ہے کہ روزہ چھوڑ دے اور اس کے بدلے میں فدیہ ادا کردے۔

سرخی (Lipstick) کا حکم

عورتیں اگر روزے کی حالت میں اپنے لبوں پر سرخی یعنی لپ سٹک لگائیں تو اس کا روزے پر کیا اثر ہوگا، روزہ فاسد یا مکروہ ہوگا یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ لبوں پر

(۱) فتاوی الشیخ العثیمین: ۱۹/۱۱۰

(۲) فتاوی شیخ بن باز: ۱۵/۲۲۱

سرخی لگانے سے روزہ فاسد تو نہیں ہوتا، بشرطیکہ اس کا کوئی جزء حلق میں نہ جائے، اگر حلق میں جائے گا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور اگر حلق میں نہ جائے، لیکن اگر اس کا اثر منہ کے اندر جانے کا خوف ہو تو مکروہ ہوگا۔ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نے لکھا ہے کہ:

''یہ سرخی لگانا جائز ہے لیکن منہ کے اندر جانے کا احتمال ہو تو مکروہ ہے''۔(۱)

بواسیری مسوں پر دوا لگانے اور کانچ تر کر کے چڑھانے کا حکم

بواسیر کی بیماری میں مسوں پر دوا لگانے کا اثر روزے پر کیا ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بواسیری مسے دو نوعیت کے ہوتے ہیں: ایک باہر کے مسے، ان پر دوا لگانے سے روزے پر کوئی اثر نہ ہوگا، اور دوسرے اندرونی مسے، ان پر دوا لگانے سے جوف تک پہنچ جائے تو ان پر دوا لگانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

علامہ ابن الہمام نے ''فتح القدیر'' میں اور علامہ زیلعی نے ''تبیین الحقائق'' میں لکھا ہے:

”لو خرج سُرمُه فغسله ثبت ذلك الوصول بلا استبعاد ، فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه بخلاف ما إذا نشفه لأن الماء اتصل بظاهر ثم زال قبل أن يصل إلى الباطن بعود المقعدة“ ۔(۲)

(۱) احسن الفتاوی: ۴/۴۳۴

(۲) فتح القدیر: ۲/۳۴۲، تبیین الحقائق: ۲/۱۸۳، احسن الفتاوی: ۴/۴۴۰

علامہ شرنبلالی نے ''مراقی الفلاح'' میں لکھا ہے کہ:

ولو خرج سرمه فغسله إن نشفه قبل أن يقوم و يرجع لمحله لا يفسد صومه لزوال الماء الذي اتصل به ''(۱)

بواسیر والے کو کانچ تر کر کے چڑھانے کا حکم بھی وہی ہے جو بواسیری مسوں کا اوپر عرض کیا گیا کہ اس سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے، جبکہ بغیر خشک کئے چڑھالے، اور اگر خشک کرنے کے بعد چڑھائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

سحری سعودی میں-افطار ہندوستان میں

آجکل کی سہولیات نے سفر کو اس قدر آسان کر دیا کہ لمبے لمبے اسفار بہت جلدی سے قطع ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایک شخص صبح ایک ملک میں کرتا ہے تو شام دوسرے ملک میں کرتا ہے، اور ان ملکوں کے مابین کی مسافت ہزاروں میل کی ہوتی ہے۔ لہذا بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص سعودی عرب میں یا کسی اور ملک میں سحری کرتا ہے اور دوسرے ملک میں جا کر افطار کا وقت ہوتا ہے، تو اس شخص کو افطار کس ملک کے حساب سے کرنا چاہئے؟ اس کا جواب سب معاصر فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ افطار کے وقت وہ جس ملک میں ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے افطار کرے گا۔ لہذا سعودی میں سحری کر کے ہندوستان آیا تو افطار ہندوستان کے وقت کے مطابق کرے گا اگر چہ کہ اس کا روزہ اس صورت میں بہت چھوٹا ہوگا، کیونکہ سعودی عرب کا وقت ہندوستان کے لحاظ سے ڈھائی گھنٹے بعد ہوتا ہے، لہذا وہ وہاں کے حساب سے

(۱) مراقی الفلاح: ۲۵۲

جب سحری کرے گا تو ہندوستان کے لحاظ سے ڈھائی گھنٹے بعد کرے گا اور وہاں سے جب ہندوستان پہنچے گا تو افطار سعودی عرب کے لحاظ سے ڈھائی گھنٹے پہلے ہوگا، مگر اس کے باوجود اس کو ہندوستان ہی کے لحاظ سے افطار کرنا چاہئے۔ اور اس کے بر عکس اگر کوئی ہندوستان میں سحری کرے اور سفر کر کے سعودیہ کو چلا جائے تو روزہ بڑا ہو جائے گا، مگر اس کو بھی اسی اصول کے تحت وہاں کے لحاظ سے افطار کرنا ہوگا۔

شیخ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے یہی فتوے دیا ہے، ان سے کسی نے یہ سوال کیا کہ میں نے اپنے ملک میں سحری کی اور اسی دن سعودی میں ریاض کو پہنچ گیا، اور اہل ریاض کے ساتھ افطار کیا، جبکہ میرے ملک اور ریاض کے وقت میں ایک گھنٹے کا فرق ہے، تو کیا مجھ پر اس کی قضاء ہے؟ تو شیخ نے جواب لکھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ آدمی جہاں ہوتا ہے سحری وافطار میں اسی کا حکم لگتا ہے، اور دو ملکوں کے مابین دن کے چھوٹا یا بڑا ہونے کا فرق ہوتا ہے اور طلوع و غروب کے پہلے و بعد ہونے کا فرق ہوتا ہے اس سے کوئی نقصان نہیں۔ (۱)

آنکھ، کان، ناک کے قطرات (Drops) کا حکم

آنکھ، کان، ناک کے قطرات (Drops) کا استعمال روزے کی حالت میں کیا حکم رکھتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا حکم الگ ہے۔ آنکھ میں ڈالے جانے والے قطرات کا روزے میں استعمال جائز ہے اور اس کا روزے پر کچھ اثر نہیں پڑتا؛ کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، روزے کو فاسد کرنے والی چیز وہ ہے جو جوف میں براہِ منفذ اصلی پہنچے۔ اور آنکھ اور جوف میں کوئی منفذ اصلی نہیں

(۱) فتاوی الشیخ بن باز: ۱۵/ ۳۲۱-۳۲۲

ہے۔ لہذا آنکھ میں دوا اور ڈراپس کا استعمال جائز ہے۔

اور کان کے قطرات کا حکم یہ ہے کہ اس سے فقہاء کے قول کے مطابق روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ کیونکہ کان اور جوف کے درمیان منفذ ہے اور اس سے یہ قطرات اندر پہنچتے ہیں اور یہ مفید بدن بھی ہیں، لہذا معنے کے لحاظ سے افطار پایا گیا۔

اور ناک کے قطرات کا حکم بھی یہی ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ کیونکہ ناک ایک منفذ ہے جس سے جوف معدہ میں یہ قطرات پہنچتے ہیں، اور یہ بات حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"بالغ في الاستنشاق إلا أن تكون صائما "(۱)

اس حدیث میں آپ نے ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کا حکم دیا اور روزے کی حالت کو اس سے مستثنٰی کیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ روزہ میں اگر ناک میں پانی چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اسی لئے آپ نے روزہ میں مبالغہ کو منع کیا ہے۔ لہذا ناک میں قطرات ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

روزے میں ہونٹوں یا چہرے وغیرہ پر کریم (cream) کا استعمال

کریم (Cream) مختلف قسم کے استعمال کئے جاتے ہیں، بعض ضرورت کے لئے جیسے ہونٹوں اور پیروں کے سردی وغیرہ سے پھٹ جانے پر لگاتے ہیں، اور بعض محض آرائش کے لئے جیسے عموماً عورتیں ہونٹوں پر اور چہرے پر استعمال کرتی ہیں۔

(۱) ابوداود: ۲۳۶۶، ترمذی: ۷۸۸

روزے کی حالت میں ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور روزے پر ان کا کیا اثر ہوگا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا استعمال روزے میں جائز ہے اور اس سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ جو کریم ہونٹوں پر لگائی جاتی ہے، وہ اگر منہ کے اندر جانے کا خوف ہو تو اس میں کراہت ہے۔

مستقل طور پر ڈرائیونگ (Driving) سے روزہ چھوڑنے کا حکم

کار یا بس یا ٹرین وغیرہ کے ڈرائیور جو تقریباً ہمیشہ ہی سفر میں رہتے ہیں اور ایک بستی سے دوسری بستی کی جانب چلتے رہتے ہیں، ان کے روزے کے بارے میں سوال یہ ہے کہ مسافر ہونے کی وجہ سے کیا ان کو بھی عام مسافرین کا حکم ہے اور کیا یہ لوگ سفر کی وجہ سے روزہ چھوڑ سکتے ہیں؟ اور اگر چھوڑ سکتے ہیں تو پھر یہ لوگ اس کی قضا کب کریں جبکہ یہ ہمیشہ ہی سفر میں رہتے ہیں؟

اس مسئلے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ان کا سفر اڑتالیس میل یعنی سترّ کلو میٹر یا اس سے زیادہ کا ہو تو یہ لوگ مسافر ہیں، اور مسافر ہونے کی وجہ سے ان کو وہ سہولت بھی ملے گی جو سفر شرعی کی وجہ سے مسافرین کو ملتی ہے، مثلاً نماز میں قصر، روزہ میں تاخیر اور بعد میں اس کی قضا، وغیرہ، لہذا ڈرائیور لوگ جو ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں، ان کو اس سہولت سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے۔ یہ لوگ رمضان میں اگر سفر میں ہوں تو روزہ ترک کر سکتے ہیں اور ان کو بعد میں ان کی روزوں کی قضا کرنی ہوگی، اب رہا یہ سوال کہ لوگ قضا کب کریں؟ تو جواب یہ ہے کہ رمضان کے ایک ماہ کے روزہ پورے سال میں کچھ کچھ کر کے رکھے جا سکتے ہیں اور اپنی چھٹیوں میں ان کو پورا کر

لیں۔اور اگر یہ مشکل ہو تو پھر بہتر یہ ہے کہ روزہ نہ چھوڑیں اور رمضان میں ہاتھ کے ہاتھ رکھ لیں، اس میں سہولت رہتی ہے۔

اور اگر یہ ڈرائیور لوگ مذکورہ سفر سے کم کا سفر کریں یا اپنے شہر اور دیہات میں بس چلاتے ہوں تو ان کو روزہ چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ یہ سفر شرعی نہیں ہے جس میں سہولتیں ملتی ہیں۔علامہ شیخ صالح العثیمین نے لکھا ہے کہ ڈرائیور بھی سفر شرعی کی صورت میں مسافر ہی ہیں، لہذا وہ روزہ ترک کر سکتے ہیں، اگرچہ کہ وہ دائمی طور پر سفر میں رہتے ہوں، اور ایسے لوگ جب گھر پر رہیں تو روزہ رکھ لیں اور سردیوں کے موسم میں روزہ رکھ لیں کہ یہ آسان ہوتے ہیں۔(۱)

ہوائی جہاز میں سحری وافطار

روزہ دار اگر ہوائی جہاز میں سفر کر رہا ہو تو اس کو بعض مسائل پیش آتے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ اس دوران سحری و افطار کا وقت کس حساب سے مانا جائے؛ کیونکہ ہوائی جہاز تیز رفتاری کی وجہ سے بہت جلد مسافت قطع کرتی رہتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ شریعت میں سحری کا انتہائی وقت صبح صادق ہے اور افطار کا وقت غروب آفتاب ہے۔اور ہوائی جہاز کے مسافر کو اس کے معلوم کرنے میں کوئی مشقت نہیں؛ کیونکہ وہ ہوائی جہاز سے اس کا مشاہدہ اچھی طرح سے کرسکتا ہے کہ صبح صادق ہوگئی یا نہیں اور آفتاب غروب ہوگیا یا نہیں۔لہذا یہاں مشاہدے سے کام لیتے ہوئے وہ سحری وافطار کرے۔

اور اگر بادل چھایا ہوا ہو جس کی وجہ سے سورج کا غروب ہونا اور صبح صادق کا ہوجانا معلوم نہ ہوسکے تو اس وقت ظن غالب سے کام لے، اور جو بات غالب گمان

---

(۱) خلاصہ از فتاوی الشیخ العثیمین: ۱۹/ ۱۴۱-۱۴۲

سے معلوم ہو اس پر عمل کر لینا کافی ہے۔(۱)

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہوائی جہاز میں یہ معلوم کر کے کہ جہاز اس وقت کہاں ہے اس مقام کی جنتری سے کام لیتے ہوئے سحری و افطار کرے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ اس میں احقر کا خیال یہ ہے کہ یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ یہ بات معلوم و مسلم ہے کہ زمین اور فضاء میں طلوع و غروب آفتاب اور اسی طرح طلوع سحر کا وقت الگ ہوتا ہے، بسا اوقات زمین پر غروب آفتاب ہو چکا ہوتا ہے، مگر ہوائی جہاز میں بیٹھا ہوا مسافر سورج کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔ اس لئے مقام معلوم کر کے وہاں کی جنتری پر عمل صحیح نہیں۔

(۳) اگر ہوائی جہاز سے اڑان سے پہلے سطح زمین پر دیکھا کہ سورج غروب ہو گیا، اس لئے روزہ دار نے افطار کر لیا، پھر جب اڑان ہوئی تو دیکھا کہ سورج غروب نہیں ہوا ہے، تو کیا اب وہ روزے کی قضا کرے؟ علماء نے لکھا ہے کہ روزے کی قضا کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ وہ جب سطح زمین پر تھا تو وہاں غروب ہو گیا اور اس کا روزہ مکمل ہو گیا۔(۲)

(۴) اور اگر ہوائی جہاز میں کسی قریبی شہر کے وقت کا اعلان کیا گیا کہ وہاں افطار کا وقت ہو چکا، جبکہ ہوائی جہاز والوں کو سورج ابھی تک نظر آرہا ہے اور غروب نہیں ہوا ہے تو ان کو اس اعلان پر افطار کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ ان کا وقت افطار ابھی نہیں ہوا۔(۳)

---

(۱) فتاوی الشیخ العثیمین: ۱۹/۳۳۲

(۲) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: ۱۰/۱۳۶، فتاوی الشیخ العثیمین: ۱۹/۳۳۲-۳۳۳

(۳) دیکھو فتاوی اللجنۃ: ۱۰/۲۹۵-۲۹۸

(۵) اگر ہوائی جہاز پر وہاں کے قریبی شہر میں افطار وسحری کا وقت ٹیلی ویژن یا گھڑی سے پتہ لگا کر اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں؛ کیونکہ جیسا اوپر عرض کیا ہوائی جہاز کے وقت میں اور نیچے زمین کے وقت میں فرق ہوتا ہے۔ اسی لئے اللجنۃ الدائمہ کے علماء نے لکھا ہے کہ اگر ہوائی جہاز میں روزہ دار گھڑی یا ٹیلی ویژن سے قریبی علاقے کے افطار کا وقت معلوم کر کے افطار کر لے جبکہ اس کو سورج نظر آرہا ہو تو یہ جائز نہیں؛ کیونکہ اس کے حق میں ابھی افطار کا وقت نہیں ہوا۔(۱)

ہوائی جہاز میں سوار اور بلند عمارات پر رہنے والوں کے لئے افطار کا وقت

جدید ٹکنالوجی نے ہر چیز میں جدت اور ترقی کا سامان پیدا کر دیا جس کی وجہ سے آج بڑے شہروں میں بڑی بڑی فلک بوس بلند عمارات پائی جاتی ہیں، جو بعض جگہ سووں سے بھی زیادہ منزلوں پر مشتمل ہیں، ان میں رہنے والوں کو کبھی افطار کے وقت میں نیچے رہنے والوں کے لحاظ سے فرق محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً نیچے غروب آفتاب ہو چکا ہے اور اذان مغرب ہو رہی ہے، لیکن ان بلند عمارات میں رہنے والے اپنی آنکھوں سے سورج کا مشاہدہ کرتے ہیں، تو ان لوگوں کو کس کا اعتبار کرنا چاہئے؟

جواب یہ ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار اور بلند عمارات میں رہنے والوں کو اپنے مشاہدے کے مطابق افطار کرنا چاہئے؛ کیونکہ ہر شخص کے لئے حکم یہ ہے کہ افطار اس وقت کرے جب سورج اس کے حق میں غروب ہو جائے۔ لہذا جب سورج کو غروب

(۱) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: ۱۰/۱۳۶-۱۳۷

ہوتے دیکھے تو افطار کرے اور اگر سورج کو موجود پائے تو غروب کا انتظار کرے۔ نیچے والوں کے لحاظ سے اس کو افطار کی اجازت نہیں ہے۔

امتحانات کی وجہ سے روزہ کا ترک

بعض حضرات نے سوال کیا کہ اسکول و کالج یا یونیورسٹی کے امتحانات کے موقعہ پر طلبہ کو بڑی محنت کرنی پڑتی ہے اور رات دن ایک کر کے اپنے اسباق کو دہرانے کی ضرورت ہوتی ہے، اور اگر ایسی محنت نہ کی جائے تو ناکام ہونے کا خطرہ ہے اور اس سے ایک طالب علم کی ساری محنت اور روپیہ پیسہ سب ضائع ہو جاتا ہے اور بعض طالب علم غریب ہوتے ہیں تو ان کے لئے یہ ناکامی زندگی کا بڑا مسئلہ ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر امتحانات اگر رمضان میں آجائیں تو چونکہ روزے سے رہتے ہوئے محنت مشکل ہے۔لہذا کیا روزہ کو اس کی وجہ سے چھوڑا جا سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ امتحانات کی وجہ سے روزہ جیسے اہم فرض کو چھوڑنا جائز نہیں ،اس سے گناہ لازم آتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان لوگوں کی نظر میں روزہ کا دنیا کے مقابلے میں ہلکا ہونا لازم آتا ہے، لہذا ایسے طلبہ کو راتوں میں محنت کرنا چاہئے تاکہ کامیاب ہوں۔ اور روزہ ترک نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو گناہ ہوگا اور اس پر روزے کی قضا لازم ہوگی۔

شیخ العثیمین نے ایک لڑکی کے سوال پر کہ اس نے امتحانات کی وجہ سے چند روزے ترک کردئے تھے، اب کیا کرنا چاہئے؟ لکھا ہے کہ: امتحان کی وجہ سے روزہ چھوڑنا غلطی ہے اور جائز نہیں ہے؛ کیونکہ وہ رات میں مطالعہ کر سکتی تھی ، اور یہاں کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے کہ روزہ ترک کردے، لہذا اس پر لازم ہے کہ اللہ سے

توبہ کرے اور اس پر ان روزوں کی قضا بھی لازم ہے۔(۱)

اور اللجنۃ الدائمۃ کے مفتیان نے اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ:

" الامتحان المدرسي ونحوه لا يعتبر عذراً مبيحاً للإفطار في نهار رمضان "(۲)

اور شیخ بن باز نے لکھا ہے کہ:

"لا يجوز للمكلف الإفطار في رمضان من أجل الاختبار لأن ذلك ليس من الأعذار الشرعية بل يجب عليه الصوم و جعل المذاكرة في الليل إذا شق عليه فعلها في النهار "(۳)

ہاں اسکول و کالج کے ذمہ دار اگر مسلمان ہیں تو ان کو چاہئے کہ اس سلسلہ میں وہ رمضان کا لحاظ وخیال رکھتے ہوئے امتحانات رمضان میں تجویز نہ کریں، بلکہ رمضان سے پہلے یا بعد میں تجویز کریں۔

محنت طلب کام کی وجہ سے ترک روزہ

ایک اہم سوال یہ سامنے آیا کہ بعض کارخانوں میں ملازمین کو محنت طلب کاموں پر رکھا جاتا ہے، جیسے لوہے وغیرہ کی فیکٹریوں میں ملازم کو کئی کئی گھنٹے تک سخت ترین محنت کا کام کرنا پڑتا ہے اور اس حال میں روزہ رکھنا ان کے بس کا نہیں

(۱) فتاوی الشیخ العثیمین: ۱۹/۸۵

(۲) فتاوی اللجنہ: ۱۰/۲۴۱

(۳) شیخ بن باز: ۱۵/۲۴۸

ہوتا۔ اب یہ ملازم لوگ روزہ رکھیں تو کام نہیں کر سکتے اور اگر کام کریں تو روزہ نہیں رکھ پاتے۔ اسی طرح بعض غریب لوگ کچھ محنت کی کمائی کر کے اپنا گزران کرتے ہیں اور ان کے کام بھی ایسے ہوتے ہیں کہ روزہ کے ساتھ کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو رمضان میں روزہ ترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

حضرات علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان لوگوں کو روزہ ترک کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ محنت طلب کام ان عذروں میں سے نہیں ہے جن کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کی گنجائش ملتی ہے۔ لہذا ان پر روزہ فرض ہے اور اس کا ترک حرام ہے اور اس سے وہ لوگ گناہ گار ہوں گے۔ شیخ عثیمین اور شیخ عبداللہ بن باز وغیرہ سب نے یہی لکھا ہے۔ (۱)

ہاں یہ لوگ روزہ رکھنے کے بعد کام کرتے تھک جائیں اور اس کی وجہ سے روزہ کو باقی رکھنے میں سخت مشکل پیش آئے جس کو وہ برداشت نہ کر سکے تو وہ اس عذر کی وجہ سے روزہ توڑ سکتے ہیں، اور بعد میں اس کی قضا کرنا پڑے گا۔

شیخ بن باز لکھتے ہیں کہ: " و أصحاب الأعمال الشاقة داخلون في عموم المكلفين ، وليسوا في معنى المرضى والمسافرين ، فيجب عليهم تبييت نية صوم رمضان ، و أن يصبحوا صائمين ، و من اضطر منهم للفطر أثناء النهار ، فيجوز له أن يفطر بما يدفع اضطراره ، ثم يمسك بقية يومه ، و يقضيه في الوقت المناسب ، و من لم يحصل له ضرورة وجب عليه الاستمرار في الصيام " (۲)

---

(۱) دیکھو فتاوی الشیخ العثیمین: ۱۹/ ۸۹، فتاوی الشیخ عبداللہ بن باز: ۱۵/ ۲۴۵-۲۴۶

(۲) فتاوی الشیخ ابن باز: ۱۵/ ۲۴۵-۲۴۶

معدے یا قلب وغیرہ میں تشخیص یا علاج کے لئے ٹیوب داخل کرنا

آج کل تشخیص امراض کے لئے یا علاج کے لئے معدے یا قبل یا دوسرے اعضاء میں اندر ٹیوب داخل کیا جاتا ہے، اوراس سے اندروں حالات کا اسکیننگ بھی لیا جاتا ہے اور علاج بھی کیا جاتا ہے۔ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، الا یہ کہ اس ٹیوب میں کوئی دوا بھی استعمال کی جاتی ہو جو اندر جوف میں پہنچتی ہو۔ پس اگر کوئی دوا اس پر نہیں ہوتی تو محض اس ٹیوب کے داخل کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ وھو ظاھر۔

ہاں اگر یہ آلہ کسی ضرورت سے اندر ہی چھوڑ دیا جاتا ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اس مسئلہ کی نظیر فقہاء کا بیان کردہ یہ جزئیہ ہو سکتا ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ:

”وكذا روي عن محمد في الصائم: إذا أدخل خشبة في المقعد أنه لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة، وهذا يدل على أن استقرار الداخل في الجوف شرط فساد الصوم۔“ (۱)

اور ”عالمگیری“ میں ہے:

”ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها لا يفسد وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول

---

(۱) بدائع: ۲/ ۲۲۷

الماء أو الدهن ۔"(۱)

لہذا ان آلات سے دو صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا: ایک اس وقت جبکہ ان پر کوئی دوا موجود ہو، دوسرے اس وقت جبکہ ان آلات کو بدن میں چھوڑ دیا جائے۔
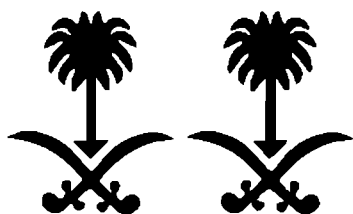
بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعتکاف

اعتکاف کے متعلق یہاں جن مسائل کو پیش کیا گیا ہے، ان کا تعلق صرف رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف سے ہے، جس کو اعتکافِ مسنون کہتے ہیں، اعتکافِ واجب و نفل کے مسائل پر یہاں بحث مقصود نہیں۔

مسجد کی پہلی و دوسری منزل پر اعتکاف

آج کل بہت سے شہروں میں مسجدیں دو دو، تین تین منزلہ بھی بننے لگی ہیں اور ممکن ہے کہ آگے چل کر ان منزلوں میں اور اضافہ و ترقی ہو، اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی منزل یا دوسری منزل پر اعتکاف کرنا صحیح ہوگا یا نہیں جبکہ پہلی دوسری منزلوں میں پنج وقتہ نماز نہیں ہوتی بلکہ وہاں صرف جمعہ یا رمضان کی بعض راتوں میں نماز پڑھی جاتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ درست ہے؛ کیونکہ وہ منزلیں بھی مسجد ہی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایک جگہ جب مسجد بن گئی تو وہ جگہ تحت الثریٰ سے آسمان تک مسجد ہی ہے۔

چنانچہ ''درمختار'' میں اور ''شامی'' میں اس کی تصریح موجود ہے۔(۱)

اور موجودہ صورتِ حال میں اوپر کی منزلیں اسی کی نیت سے بنائی جاتی ہیں کہ وہاں نماز پڑھی جائے، لہٰذا اس کے مسجد ہونے میں شبہ نہیں، اس لئے اعتکاف کرنا

(۱)فقال: و کرہ تحریماً [الوطء فوقه ، والبول و التغوط] لأنه مسجد إلى عنان السماء، و كذا إلى تحت الثرى، (درمختار مع شامی:۲/ ۴۲۸)

بھی وہاں درست ہے۔

اس سلسلہ میں یہ سوال بھی پیش آتا ہے کہ نیچے کے حصے میں اعتکاف کرنے والا، اگر پہلی یا دوسری منزل پر گیا تو اس کا اعتکاف باقی ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا اعتکاف برقرار ہے؛ کیونکہ وہ مسجد ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ گیا ہے اور اس کی دلیل فقہ کا یہ صریح جزئیہ ہے کہ مسجد کی چھت پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔(۱)

مسجد کے تہہ خانے میں اعتکاف

آج کل مسجدیں جس طرح اوپر کی طرف کئی کئی منزلوں میں بن رہی ہیں، اسی طرح بعض مسجدوں میں نیچے کی طرف بھی مسجد کے لئے جگہ بنادی جاتی ہے جہاں عام طور پر پنج وقتہ نماز نہیں ہوتی، البتہ بعض اوقات وہاں بھی نماز باجماعت کا اہتمام ہو جاتا ہے، مثلاً جمعہ میں، رمضان، شب برات اور شب قدر میں، اس تہہ خانے اور نچلے حصہ میں بھی اعتکاف کرنا درست ہے؛ کیونکہ جیسا کہ اوپر گزرا مسجد جہاں بنادی جاتی ہے وہاں تحت الثری سے آسماں تک مسجد ہی ہے اور یہاں تو باقاعدہ مسجد ہی کی نیت سے نیچے تہہ خانہ بھی بنایا جاتا ہے، اس لئے اس جگہ بھی اعتکاف کرنا درست ہے، اگرچہ پنج وقتہ نماز وہاں نہ ہوتی ہو؛ کیونکہ یہ اس مسجد سے الگ نہیں ہے، جس کا یہ تہہ خانہ ہے بلکہ اسی مسجد کا ایک حصہ ہے۔

مسجد کے اوپر اور نیچے کی منزلوں سے آکر جماعت میں شامل ہونا

جن مساجد میں کئی منزلہ عمارت ہوتی ہے، وہاں ایک منزل میں جماعت ہوتی

---

(۱)فقال:و لا یبطل الاعتکاف بالصعود إلیه ،(شامی:۲/ ۴۲۸)

ہے، تو ایسی صورت میں اعتکاف کرنے والا اگر مسجد کے اوپر یا نیچے کی منزل میں اعتکاف میں بیٹھا ہے تو اس کو پنج وقتہ نمازوں یا تراویح کی جماعت کے لئے جماعت خانے میں آکر شامل ہونا درست ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دیگر منزلوں سے جماعت خانے میں آنے کے لئے راستہ مسجد کے اندر ہی سے ہو تو ظاہر ہے کہ معتکف کا جماعت خانے میں آنا جائز ہے اور اس سے اعتکاف پو کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن اگر راستہ مسجد کے اندر سے نہ ہو، بلکہ باہر سے ہو تو کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں احقر نے اس کتاب کی سابقہ اشاعتوں میں لکھا تھا کہ یہ بھی جائز ہے اور اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، اور اس کی وجہ یہ لکھی تھی کہ حاجت طبعیہ و حاجت شرعیہ کے لئے مسجد سے نکلنے کی اجازت دی ہے، اور جماعت میں شامل ہونا حاجت شرعیہ ہے، اور اس پر حضرت تھانوی کے ایک فتوے کی عبارت سے استدلال کیا تھا، کسی نے حضرت تھانوی سے سوال کیا ہے کہ جماعت مسجد کے صحن میں ہورہی ہو تو معتکف مسجد سے باہر یہاں آکر جماعت میں شامل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ:

"ادراکِ جماعت مثل ادراکِ جمعہ ضرورت دینیہ ہے، اس لئے خروج جائز ہے"۔(۱)

اس سے بندہ نے استدلال کرتے ہوئے لکھا کہ "لہٰذا جماعت میں شامل ہونے کے لئے اس شخص کو باہر نکل کر مسجد کے جماعت خانے میں داخل ہونا درست ہے، اس سے اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا"۔

مگر بعد میں بنگلور کی ایک مسجد "مسجد سر اسماعیل سیٹھ، فریزر ٹاؤن" کے ایک

---

(۱) امداد الفتاوی: ۱۵۲/۲

استفتاء کے جواب کے دوران دوبارہ اس مسئلہ پر غور کرتے ہوئے، ہمارے جامعہ کے مفتیان کرام کو اس پر شبہ پیدا ہو گیا، اور اس شبہ کی بنیاد یہ تھی کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے فتوے میں معتکف کو مسجد کے اندر سے باہر آ کر جماعت میں شرکت کی اجازت دی گئی ہے؛ کیونکہ جماعت صحن مسجد میں ہو رہی تھی۔ لہذا اس ضرورت شرعیہ کی وجہ سے کہ مسجد میں جب جماعت نہیں ہو رہی ہے، باہر ہو رہی ہے اور اس میں شامل ہونا شرعی ضرورت ہے، یہ جائز ہوا۔ لیکن ہم اب جس مسئلے میں بحث کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ جماعت مسجد میں ہو رہی ہے اور معتکف بھی مسجد کے اندر ہے، البتہ جماعت کسی منزل پر ہو رہی ہے اور معتکف کسی اور منزل پر ہے، تو یہاں معتکف کو باہر آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ جس منزل پر ہے وہیں وہ نماز باجماعت میں شامل ہو سکتا ہے۔

الغرض اس شبہ قویہ کی وجہ سے ہم نے یہ فتوی دیا کہ راستہ اگر باہر سے ہو تو مسجد کی کسی اور منزل سے جماعت میں شامل ہونے کے لئے باہر کے راستے سے آنا جائز نہیں، اور اس سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں جواب یہ ہے کہ باہر راستہ ہونے کی صورت میں نماز اسی منزل میں پڑھ لینا چاہئے جہاں معتکف اعتکاف میں ہے، باہر کے راستے سے آ کر جماعت میں شامل ہونے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

معتکف کا اذان دینے باہر نکلنا

اعتکاف کرنے والا شخص اذان دینے کے لئے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ملحوظ رہے کہ اگر اعتکاف کرنے والا یہ شخص اس مسجد کا مؤذن ہے تو باتفاق علماء اس کو مسجد سے نکلنا درست ہے، اس سے اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔

''الجوہرۃ النیرۃ'' میں ہے:

”ولو كان المؤذن هو المعتكف فصعد المأذنة للأذان
لا يفسد اعتكافه ، ولو كان بابها خارج المسجد “
(کہ اگر مؤذن ہی اعتکاف کرنے والا ہے اور وہ اذان
دینے منار پر چڑھے تو اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا، اگر چہ اس
کا دروازہ مسجد سے باہر ہو۔)(۱)

اور اگر اعتکاف کرنے والا مؤذن نہیں ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ وہ اذان دینے کے لئے نکل سکتا ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ غیر مؤذن اذان دینے باہر نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور بعض کہتے کہ فاسد نہ ہوگا۔ مگر علامہ شامیؒ اور ابن نجیم اور قاضی خان نے لکھا ہے کہ پہلا قول ضعیف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس میں مؤذن اور غیر مؤذن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی کوئی بھی مسجد سے باہر نکل کر اذان دے تو اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔(۲)

مسجد کے بیت الخلاء ہوتے ہوئے قضا حاجت کے لئے گھر جانا

حضرات فقہاء نے اعتکاف کرنے والے کو قضائے حاجت کے لئے گھر جانے

---

(۱) الجوہرة النیرہ:۱/۲۱۳

(۲) فقال :[لومؤذنا]هذا قول ضعيف ، والصحيح أنه لا فرق بين المؤذن وغيره،درمختارمع شامی:۳/٤٣٦۔ فقال: أما في غير المؤذن فيفسد الاعتكاف ، والصحيح أن هذا قول الكل في حق الكل لأنه خرج لإقامة سنة الصلاة وسنتها تقام في موضعها فلا تعتبر خارجا۔
(البحرالرائق:۲/۵۲۹)

کی اجازت دی ہے حتی کہ اگر راستہ میں کسی عزیز دوست کا گھر ہو تب بھی اپنے گھر جانے کی اجازت دی ہے۔(۱)

لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ مسجدوں سے متصل آج کل کی طرح بیت الخلا کا انتظام نہ تھا، اب جبکہ تقریباً شہر کی ہر مسجد سے ملے ہوئے بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں اور پانی کا بھی معقول انتظام ہوتا ہے، یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معتکف مسجد کے بیت الخلاء کو چھوڑ کر قضائے حاجت کے لئے اپنے گھر جا سکتا ہے یا نہیں؟

اس سے پہلے کہ اس کا حکم معلوم کریں یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی آدمی کے دو گھر ہوں ایک دور ہو اور ایک قریب اور یہ آدمی اعتکاف میں قریب کے گھر کو چھوڑ کر دور کے گھر کو جائے تو بعض علماء کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور بعض کے نزدیک فاسد نہ ہوگا۔(۲)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے ''النہر الفائق'' کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس صورت پر زیر بحث مسجد کے بیت الخلاء چھوڑ کر گھر جانے کی صورت کو قیاس کرنا چاہئے لہذا بعض کے نزدیک اس میں بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور بعض کے نزدیک فاسد نہ ہوگا مگر آگے چل کر علامہ شامی رحمہ اللہ نے ''رحمتی'' کے

---

(۱)فقال: ولو كان بقرب المسجدبيت صديق له لم يلزم قضاء الحاجة فيه (عالمگیری:۱/۲۳۳)

(۲)فقال: واختلف فيما لو كان له بيتان فأتى البعيدمنهما ،قيل : فسد، وقيل :لا،شامي :۳/۴۳۵ ،فقال:وإن كان له بيتان قريب وبعيد فقال بعضهم : لا يجوز أن يمضي إلى البعيد، فإن مضى بطل اعتكافه۔(عالمگیری:۱/۲۳۳)

حوالے سے ان دونوں صورتوں میں ایک فرق بیان کر کے مسجد کے بیت الخلاء چھوڑ کر گھر جانے کی صورت کو بالاتفاق جائز قرار دیا ہے، فرق یہ ہے کہ بعض لوگوں کو اپنے گھر کے علاوہ دوسرے کے گھر سے انس نہیں ہوتا اور قضائے حاجت آسانی سے نہیں ہوتی، اس لئے اس صورت میں بالاتفاق اعتکاف فاسد نہ ہونا چاہئے۔(۱)

اس لئے کہ اگر کسی کو مسجد کے بیت الخلاء سے وحشت ہوتی ہو تو اس کے لئے گھر جانے کی گنجائش ہوگی، مگر فراغت کے فوراً بعد واپس آجانا چاہئے، ورنہ اعتکاف فاسد ہو جائیگا۔(۲)

معتکف کا گرمی اور جمعہ کے غسل کے لئے باہر نکلنا

حالت اعتکاف میں جمعہ کے غسل یا گرمی کی شدت کی وجہ سے غسل کرنے کے لئے مسجد سے باہر نکلنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ اعتکاف میں صرف دو صورتوں میں مسجد سے نکلنے کی اجازت ہے، ایک حاجت طبعیہ کے لئے اور دوسرے حاجت شرعیہ کے لئے۔اور گرمی کا غسل نہ حاجت شرعیہ میں داخل ہے نہ حاجت طبعیہ میں حاجت شرعیہ میں داخل نہ ہونا تو ظاہر ہے، اسی طرح جمعہ کا غسل حاجت شرعیہ میں داخل نہ ہونا بھی ظاہر ہے؛ کیونکہ یہ فرض نہیں ہے اور نہ واجب ہے، البتہ گرمی کے

---

(۱)**فقال**: وينبغي أن يخرج على القولين ما لو ترك بيت الخلاء للمسجد القريب و أتى بيته ـ(نهر)ـولا يبعد الفرق بين الخلافية وهذه ، لأن الإنسان قد لا يألف غير بيته ـرحمتي:أي فإذا كان لا يألف غيره بأن لا يتيسرله إلا في بيته فلا يبعد الجواز بلا خلاف۔(شامی:۳/۴۳۵)

(۲)**فقال**: ويرجع إلى المسجد كما فرغ من الوضوء،و لومكث في بيته فسد اعتكافه و إن كان ساعةً ـ(عالمگیری:۱/۲۳۳)

لئے غسل اور جمعہ کے لئے غسل کو ممکن ہے کہ حاجت طبعیہ میں داخل سمجھ کر اس کے لئے مسجد سے نکلنے کی گنجائش نکالیں، اس لئے اس کو یہاں ذکر کرنا پڑا۔

سو معلوم ہونا چاہئے کہ گرمی کا غسل حاجت طبعیہ میں بھی داخل نہیں ہے؛ کیونکہ حضرات فقہاء نے حاجت طبعیہ کی تعریف یہ کی ہے کہ:

"الطبيعية ما لابد منها و ما لا يقضى في المسجد"۔

(حاجت طبعیہ وہ ہے جس کے بغیر چارہ نہ ہو اور اس کو مسجد میں پورا نہ کیا جا سکتا ہو)(۱)

اور ظاہر ہے کہ گرمی کا غسل ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو بلکہ گرمی سے بچنے کے لئے اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے اور بھی طریقے ہیں، مثلاً پنکھا کرنا، بھیگا ہوا کپڑا سر یا بدن پر ڈال لینا وغیرہ، اس لئے علماء نے ٹھنڈک کے لئے غسل کو حاجت طبعیہ میں داخل نہیں فرمایا، چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے "امداد الفتاوی" میں غسل تبرید کیلئے باہر نکلنے کو مفسد قرار دیا ہے۔(۲)

اس لئے ایسا نہ کرنا چاہئے اور یہی حال ہے جمعہ کے غسل کا کہ وہ حاجت طبعیہ میں بھی داخل نہیں، لہذا اس کے لئے مسجد سے نکلنا مفسد اعتکاف ہے۔

البتہ اگر گرمی کے دنوں میں اعتکاف کا موقعہ آئے اور وہ پہلے ہی نیت کر لے کہ میں گرمی کے غسل کے لئے نکلوں گا تو اس کے لئے نکلنے کی گنجائش ہو سکتی ہے، جیسے

---

(۱) شامی: ۳/ ۴۳۵

(۲) چنانچہ سوال ہوا کہ: گرمی کی وجہ سے غسل خانہ میں جا کر روزانہ نہانا جائز ہے؟ الجواب: نہیں۔ سوال: اگر بوجہ ناواقفیت کے نہایا ہو تو اس کے اعتکاف ہوئے یا نہیں؟ الجواب: جتنے دن ایسا کیا ہے اتنے دن کے اعتکاف کی قضا کرے۔

(امداد الفتاوی: ۲/ ۱۵۳-۱۵۴)

فقہاء نے نذر کے اعتکاف میں لکھا ہے کہ اگر نذر کے وقت نیت کرلیا کہ مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے یا علم کی مجلس میں شرکت کے لئے نکلوں گا تو اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔(۱)

مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح نکلنا ثابت نہیں ہے، اس لئے یہ خلاف سنت ہے، البتہ اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔

معتکف کا مسجد میں پان کھانا

اعتکاف کرنے والا مسجد میں پان استعمال کرسکتا ہے؛ کیونکہ پان مباح چیز ہے اور مباح چیز کا استعمال مسجد میں معتکف کے لئے جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ:

”وأما الأكل والشرب والنوم يكون في معتكفه “۔(۲)

(کہ معتکف کا کھانا پینا اور سونا اس کے اعتکاف کی جگہ (مسجد) میں ہوگا)۔

پان میں اگر تمباکو استعمال کرے تو دیکھا جائے گا کہ وہ تمباکو کیسا ہے، اگر بدبودار ہے تو اجازت نہ ہوگی، اور بدبودار نہ ہو تو اجازت ہوگی۔(۳)

---

(۱)**فقال**: لوشرط وقت النذر، أن يخرج لعيادة مريض وصلاة جنازة وحضور مجلس علم جاز ذلك ۔ (درمختار مع شامی:۳/۴۳۹)

فقال:لوشرط وقت النذر والالتزام أن يخرج إلى عيادة المريض وصلاة الجنازة وحضورمجلس العلم ،يجوز له ذلك۔(عالمگیری:۱/۲۳۴)

(۲)ہدایہ:۲/۲۹۳،عالمگیری:۱/۲۳۴

(۳)تمباکو کی کئی قسمیں ہیں:بعض میں نشہ یا بدبو ہے،ان کا استعمال تو کسی صورت جائز نہیں اور بعض میں یہ بات نہیں، تاہم مضرت شدیدہ سے خالی نہ ہونے کی وجہ سے اس قسم کے تمباکو کا استعمال بھی کراہت سے خالی نہیں، لہذا اس سے احتراز ہی اولی وبہتر ہے۔

معتکف کا مسجد میں بیڑی، سگریٹ، حقہ استعمال کرنا

مسجد میں چونکہ بدبودار چیزوں کا لانا، رکھنا، استعمال کرنا سب ناجائز ہے، اس لئے معتکف کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ وہ مسجد میں بیڑی، سگریٹ اور حقہ استعمال کرے؛ کیونکہ ان چیزوں میں بھی بدبو ہوتی ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بدبودار درخت میں سے کچھ کھائے یعنی پیاز اور لہسن تو ہو ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بدبودار چیزوں کا مسجدوں میں لانا یا اس کا استعمال کرنا ناجائز ہے، اسی سے علماء نے لکھا ہے کہ مسجد میں مٹی کا تیل استعمال کرنا یا رکھنا ناجائز ہے؛ کیونکہ اس میں بدبو ہوتی ہے۔(۲)

اب دیکھنا یہ ہے کہ بیڑی سگریٹ اور حقہ میں بدبو ہوتی ہے یا نہیں؟ ممکن ہے ان چیزوں کے عادی لوگوں کو اس کی بدبو، خوش بو سے زیادہ مرغوب معلوم ہو مگر جو اس کے عادی نہیں ہیں، ان سے پوچھو کہ یہ کس قدر اذیت و تکلیف دہ چیزیں ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ "منیۃ الساجد" میں اوپر کی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

---

(۱)فعن جابربن عبدالله عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم ،قال:من أكل من هذه البقلة ، الثوم وقال مرة:من أكل البصل و الثوم والكراث فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم ـ

(مسلم واللفظ لہ:۲۲۴،الرقم،۵۶۴، بخاری:ص،۱۷۳،الرقم،۸۵۴،سنن کبری للنسائی:۱/۳۹۱،الرقم،۷۸۸)

(۲)دیکھو منیۃ الساجد فی آداب المساجد:۱۰

’’مراد یہ ہے کہ جب تک اس (پیاز) کی بد بو منہ سے نہ جائے اس وقت تک مسجد میں نہ داخل ہو، اور یہی حکم ہر بدبودار چیز کا ہے، جیسے حقہ، سگریٹ اور لہسن وغیرہ۔‘‘(۱)

غرض بدبودار چیز کا مسجد میں استعمال، معتکف کے لئے بھی جائز نہیں۔

بیڑی، سگریٹ، حقہ کے لئے مسجد سے باہر نکلنا

بیڑی، سگریٹ، حقہ کے لئے مسجد سے باہر نکلنا درست ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں؛ کیونکہ جیسا کہ اوپر تفصیل سے گذر چکا ہے کہ معتکف صرف دو صورتوں میں مسجد سے نکل سکتا ہے، ایک حاجت طبعیہ کے لئے، دوسرے حاجت شرعیہ کے لئے، اور یہ بھی اوپر گذر چکا کہ حاجت طبعیہ اس کو کہتے ہیں جس کے بغیر چارہ نہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں اس تعریف میں داخل نہیں ہیں؛ کیونکہ یہ چیزیں ہماری اپنی عادت سے لازمہ بنالی جاتی ہے نہ کہ طبیعت سے، اس لئے ان چیزوں کے لئے باہر نکلنا درست نہ ہوگا۔ مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمہ اللہ نے ’’فتاویٰ دارالعلوم‘‘ میں صاف لکھا ہے کہ ’’باہر نکلنا بغرضِ حقہ نوشی جائز نہ ہوگا‘‘۔(۲)

البتہ ایسے لوگوں کو جو اس قسم کی چیزوں کے عادی ہیں، چاہیے کہ بیت الخلاء جاتے وقت ان کا استعمال کریں اور مسجد میں داخل ہونے سے پہلے منہ کو اچھی طرح صاف کرلیں۔ ہاں اگر ایسا عادی ہو چکا ہے کہ ان چیزوں کے ترک سے طبیعت خراب ہونے کا خوف ہو تو پھر ان چیزوں کو حاجت طبعیہ میں شمار کیا جائیگا اور اس حالت میں ان چیزوں کے استعمال کے لئے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا

---

(۱) منیۃ الساجد: ۱۰

(۲) فتاوی دارالعلوم: ۶/ ۵۰۵

ایسے لوگوں کو چاہیے کہ ان چیزوں کے استعمال کے بعد منہ سے بدبو زائل کر کے مسجد میں آئیں۔(۱)

ہر محلّہ میں اعتکاف سنت ہے

رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے(۲)

ابن عربی نے کہا کہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور ابن بطال نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر پابندی فرمانے میں اس پر دلیل ہے کہ یہ تاکیدی سنت ہے اور ابوداؤد نے امام احمد سے نقل کیا کہ: میں اس کے مسنون ہونے میں علماء میں سے کسی کا اختلاف نہیں جانتا۔(۳)

سنت کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ چند لوگ بھی اس کو ادا کر دیں گے تو سب کی

(۱) چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں کہ: اعتکاف کرنے سے پہلے ہی بیڑی چھوڑنے کی کوشش کرے، اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو تعداد اور مقدار کم کرے، اور کچھ پینی ہی پڑے تو جس وقت استنجاء اور طہارت کے لئے نکلے، اس بیڑی کی حاجت بھی پوری کرے، خاص بیڑی پینے کے لئے نہ نکلے؛ مگر جب مجبور ہو جائے اور طبیعت خراب ہونے کا خوف ہو تو اس کے لئے بھی نکل سکتا ہے کہ ایسی اضطراری حالت کے وقت یہ طبعی ضرورت میں شمار ہوگا اور مخل و مفسد اعتکاف نہ ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ۷/۲۷۷-۲۷۸)

(۲) (فقال:[وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان] أي سنة كفاية۔
(درمختار مع شامی: ۳/۴۳۰)

(۳) فتح الباری: ۴/۲۷۲

طرف سے ساقط ہوجائے گا اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گنہ گار ہوں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں جہاں کثیر آبادی ہوتی ہے اور سیکڑوں مساجد ہوتی ہیں، وہاں کیا ہر محلّہ کی مسجد میں کوئی نہ کوئی اعتکاف کرے یا شہر میں کسی بھی مسجد میں کسی کے اعتکاف کر لینے سے شہر والوں سے ساقط ہوجائے گا؟

اس سلسلے میں فقہاء کرام سے کوئی تصریح نہیں ملی، البتہ شامی رحمہ اللہ نے اعتکاف کو تراویح کی نظیر بتایا ہے۔(۱)

اور تراویح کی جماعت کے بارے میں تین قول بیان کئے ہیں: ایک یہ کہ شہر کی ہر مسجد میں اقامت تراویح ہونا چاہئے۔ دوسرا یہ کہ شہر کی کسی ایک مسجد میں کافی ہے۔ تیسرا یہ کہ ہر محلّہ کی مسجد میں ہونا چاہئے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صاحب درمختار کے کلام سے پہلی بات ظاہر ہوتی ہے اور طحطاویؒ نے دوسرے قول کو ظاہر قرار دیا ہے۔ مگر میرے نزدیک تیسرا قول ظاہر ہے کہ ہر محلّہ کی مسجد میں اقامت تراویح سے سنت کفایہ ادا ہوگی۔(۲)

اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شہر کی ہر مسجد میں ہو تو بہت خوب ورنہ کم از کم ہر محلّہ کی کسی ایک مسجد میں تو اعتکاف ہونا چاہئے، اور یہ اس طرح بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ہر محلّہ ایک گاؤں کی طرف ہوتا ہے لہٰذا ہر محلّہ کی مسجد میں ہونا چاہئے۔

---

(۱) **فقال**: نظيرها إقامة التراويح بالجماعة، (شامی: ۳/ ۴۳۰)

(۲) **فقال**: وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها أو من المحلة ؟ ظاهر كلام الشارح الأول ، واستظهره الثاني ، ويظهر لي الثالث ـ (شامی: ۲/ ۴۹۵)

معتکف کا حجامت بنوانا

معتکف کو اگر حجامت بنوانے کی ضرورت پیش آجائے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اس کے لئے مسجد سے باہر جانا مفسد اعتکاف ہے، اس لئے اس کی خاطر باہر نہیں جا سکتا۔(۱)

اور مسجد کے اندر ہی حجامت بنوانا ہو تو یہ درست ہے مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر خود بنا لے یا حجام بغیر مزدوری کے بنائے تو جائز ہے اور اگر مزدوری لے کر بنائے تو مسجد میں جائز نہیں، اس لئے ایسا کیا جائے کہ معتکف تو مسجد میں رہے اور حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے۔(۲)

لیکن ہر صورت پر اس کا اہتمام کرے کہ مسجد بالوں سے آلودہ نہ ہو۔اس لیے کہ مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔اس لیے حجامت بنانے سے قبل، کپڑا وغیرہ بچھا لے تاکہ گرنے والے بال مسجد کے فرش پر نہ گریں۔(۳)

---

(۱) چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: معتکف کے لئے سر منڈانے اور غسل مستحب کے لئے مسجد سے نکلنا درست نہیں۔(فتاویٰ رحیمیہ: ۷/ ۲۷۷)

(۲) چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے اور حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ بدوں عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے، اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں۔

(احسن الفتاویٰ: ۴/ ۵۱۶)

(۳) چنانچہ حضرت مفتی لاجپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: سر منڈانا ضروری ہو تو اعتکاف کی جگہ میں چادر وغیرہ بچھا کر منڈا سکتا ہے اور پوری احتیاط رکھے کہ بال وغیرہ مسجد میں گرنے نہ پائیں۔(فتاوی رحیمیہ: ۷/ ۲۷۷)

معتکف کا ڈاڑھی بنوانا

معتکف کے ڈاڑھی بنانے میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اس کے لئے مسجد کے باہر جانا جائز نہیں، اگر جائے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور اگر مسجد میں بنائے تو درست ہے، مگر حجام کے ذریعہ بنوانے میں تفصیل یہ ہے کہ اجرت پر یہ معاملہ مسجد کے اندر نا جائز ہے اور بلا اجرت ہو تو جائز ہے۔ ہاں حجام مسجد کے باہر بیٹھ کر ڈاڑھی بنائے اور معتکف مسجد میں ہو تو درست ہے۔ (۱)

یہاں اس سلسلے میں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ ڈاڑھی بنانے سے مراد یہ ہے کہ ڈاڑھی کو درست کیا جائے یا گالوں پر اگنے والے بالوں کی صفائی کی جائے۔ اس سے ڈاڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا مراد نہیں ، ڈاڑھی کا منڈانا اور ایک مشت سے کم کرنا ہر صورت میں حرام ہے۔ (۲)

لہٰذا مسجد کے اندر اور حالت اعتکاف میں یہ کام کرنا سخت حرام و نا جائز ہوگا، اگر چہ اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، مگر اس کا ارتکاب گنہ گار بنا دیتا ہے۔

حالت اعتکاف میں بیمار ہو جائے تو؟

حالت اعتکاف میں اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اولاً اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ مسجد ہی میں رہتے ہوئے علاج ہو جائے ، مثلاً مسجد ہی میں کسی ڈاکٹر کو بلا کر

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابق در بیان ’’معتکف کا حجامت بنوانا‘‘

(۲) ڈاڑھی منڈانا اور کترانا (جبکہ ایک مشت سے کم ہو) تمام فقہاء کے نزدیک حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اور داڑھی منڈانے اور کترانے والا فاسق اور گنہ گار ہے۔
(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۷/۸۷)

معائنہ کرائے اور علاج کرائے، اگر اس سے افاقہ نہ ہو یا یہ صورت نہ بن سکے تو اس کی گنجائش ہے کہ وہ گھر چلا جائے یا ڈاکٹر کے پاس جائے، مگر اس سے اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا، مگر چونکہ مجبوری سے ایسا کیا ہے لہٰذا گنہ گار نہ ہوگا اور اس پر بعد میں قضاء کرنا ضروری ہوگا قاضی خاں نے فرمایا ہے:

"اذا خرج ساعة بعذر المرض لم يصرمستثنى عن الإيجاب لأنه لا يغلب و قوعهٗ فصار كانهٗ خرج بغير عذر إلا أنهٗ لم يأثم في الخروج بعذر المرض"(۱)

اسی طرح شامی رحمہ اللہ اور ابن نجیم رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے۔ (۲)
غرض ایسی صورت میں نکلنا مفسد اعتکاف ہے، البتہ وہ گنہ گار نہ ہوگا ہاں بعد میں قضا کر لینا چاہئے۔

روزہ کے بغیر اعتکاف

اگر کوئی شخص مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکا، مگر وہ اعتکاف کرنا چاہتا ہے تو کیا بغیر روزہ کے اعتکاف کرنا درست ہوگا؟
اس سلسلے میں علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ اعتکاف مسنون کے لئے روزہ شرط نہیں ہے؛ کیونکہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے روزہ صرف نذر کے اعتکاف میں شرط ہے۔ (۳)

---

(۱) خانیہ علی ھامش الہند: ۱/۲۲۳

(۲) البحر الرائق: ۱/۳۰۳، شامی: ۲/۴۴۷

(۳) فقال لتصريحهم بأن الصوم إنما هو شرط في المنذورفقط دون غيره۔ (البحر الرائق: ۲/۵۲۴)

مگر علامہ شامی نے اس سے اختلاف کیا ہے، اور فرمایا کہ فقہاء نے اعتکاف کی تین قسمیں قرار دی ہیں: واجب (نذر کا اعتکاف) سنت اور نفل، اور واجب کے لئے روزہ کو شرط قرار دیا ہے اور نفل کے لئے روزہ کا شرط نہ ہونا بیان کیا ہے مگر سنت اعتکاف سے کوئی تعرض نہیں فرمایا؛ کیونکہ عادتاً یہ عشرہ آخیر کا اعتکاف روزہ ہی کے ساتھ ہوتا ہے لہٰذا اعتکاف مسنون میں بھی روزہ شرط ہونا چاہئے۔(۱)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ جو شخص بیماری وغیرہ کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے وہ اعتکاف مسنون نہیں کرسکتا؛ کیونکہ روزہ اس کے لئے بھی شرط ہے، البتہ ایسا شخص اعتکاف کرے تو وہ نفلی اعتکاف کا ثواب پائے گا۔

---

(۱)**فقال**: وقوله في البحر:لا يمكن حمله عليه لتصريحهم بأن الصوم إنما هو شرط في المنذور فقط دون غيره ، فيه نظر، لأنهم إنما صرحوا بكونه شرطا في المنذور غير شرط في التطوع ، و سكتوا عن بيان حكم المسنون لظهور أنه لا يكون إلا بالصوم عادة ،ولهذا قسم في متن الدر الاعتكاف إلى الأقسام الثلاثة : المنذور والمسنون والتطوع ، ثم قال : والصوم شرط لصحة الأول لا الثالث ، ولم يتعرض للثاني لما قلنا۔
(شامی:۳/۴۳۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تراویح

تراویح پر اجرت کا مسئلہ

آج کل تراویح میں قرآن سنانے پر اجرت لینے دینے کا رواج عام ہو گیا ہے اور اس قدر اس کا شیوع ہے کہ آج اس مسئلہ پر کچھ کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے مگر اہل انصاف سے حق کے قبول کرنے کی توقع پر کچھ کہنے کی ہمت ہوتی ہے۔

حضرات فقہاء نے عبادات پر اجرت لینے کو حرام قرار دیا ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے، چنانچہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”والأصل عندنا أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليه“(۱)

(اصل یہ ہے کہ ہر وہ عبادت جو مسلمان کے ساتھ خاص ہے، اس پر اجرت لینا دینا جائز نہیں۔)

شرح وقایہ میں ہے:

”والأصل عندنا أنه لا يجوز الإجارة على الطاعات و لا على المعاصي“(۲)

---

(۱) ہدایہ: ۶/۲۹۶

(۲) شرح وقایہ: ۲۹۹

(ہمارے نزدیک اصل یہ ہے کہ اجارہ جائز نہیں نہ طاعات
پر نہ گناہوں کے کام پر۔)

اسی طرح درمختار، کنز الدقائق، قدوری وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے اور تراویح کا یا قرآن پڑھنے کا طاعت یا عبادت ہونا ظاہر ہے اس لئے اس حرمت کے حکم میں وہ بھی داخل ہے، پس یہ اجرت لینے دینے کا رواج صریح حرام و ناجائز ہے۔(۱)

اور فقہائے احناف کا اس سلسلے میں مستدل احادیث ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو مگر اس کے ذریعہ مت کھاؤ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ جو شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی ہی ہڈی ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا۔(۲)

اب رہی یہ بحث کہ علماء وائمہ فقہ نے اذان، امامت، تعلیم قرآن وفقہ پر اجرت کو کیسے جائز قرار دیا اور اگر ان پر اجرت جائز ہے تو پھر تراویح پر کیوں جائز نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات ائمہ فقہ نے ان بعض عبادات وطاعات کو حرمت

---

(۱) مختصر القدوری:۱۰۴، المبسوط للسرخسی :۱۶/۲۷، شامی:۹/۷۶، کنز الدقائق: ۸/۳۳، مجمع الانھر :۳/۵۳۲، الفتاوی الھندیہ:۴/۵۰۷، الاختیار لتعلیل المختار:۲/۵۹)

(۲) عن عبدالرحمن بن شبل قال:إني سمعت رسول الله ﷺ قال: اقرؤوا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولاتأكلوا به ولاتستكثروا به۔

(مسند ابویعلی :۳/۸۸، الرقم، ۱۵۱۸، مجمع الزوائد:۴/۱۷۰، الرقم: ۶۴۴۵، اتحاف الخیرہ:۶/۳۴۷، الرقم، ۵۹۹۷، نصب الرایہ:۴/۱۳۵، الرقم، ۶۸۱۸، الدرایہ:۲/۱۸۸، الرقم:۸۶۶)

کے اصل حکم سے ضرورت کی بنا پر الگ کیا ہے اور ان پر اجرت لینے دینے کو جائز قرار دیا ہے، ضرورت یہ ہے کہ ان چیزوں پر اجرت نہ دی جائے تو یہ اہم فرائض وشرائع اسلام ضائع ہو جائیں گے۔

چنانچہ ''ہدایہ'' میں تعلیم قرآن پر اجرت کے جواز کا قول نقل کر کے فرمایا ہے کہ یہ جائز بلکہ اچھا اس لئے ہے کہ آج دینی امور میں سستی غالب ہے، پس اگر اجرت سے منع کریں تو حفظ قرآن ضائع ہو جائے گا۔(۱)

معلوم ہوا کہ قرآن کی حفاظت وحفظ قرآن جیسے فریضہ کی بقاء کے واسطے تعلیم قرآن کو جائز قرار دیا ہے، اسی طرح امامت، اذان، وغیرہ پر اجرت کا جواز بھی اسی ضرورت کے پیش نظر ہے۔

چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"و قد اتفقت كلمتهم جميعاً في الشروع والفتاوى على التعليل بالضرورة" (تمام علماء کا کلام اس پر متفق ہے کہ (ان چیزوں پر اجرت کے جواز) کی علت و وجہ ضرورت ہے یعنی ضرورت کی وجہ سے اجرت کو جائز قرار دیا ہے)۔(۲)

آگے چل کر بہت صاف بات کہتے ہیں کہ:

تمام مشائخ کا کلام اس پر متفق ہے کہ اصل مذہب عدمِ

---

(۱)فقال: وبعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم ؛ لأنه ظهر التواني في الأمور الدينية ، ففي الامتناع يضيع حفظ القرآن وعليه الفتوى ۔(ہدایہ:۶/۲۹۶)

(۲)ردالمحتار:۹/۷۶

جواز ہے، پھر ان حضرات نے ان چیزوں کا استثناء کیا ہے جو تم معلوم کر چکے، پس یہ قطعی اور روشن دلیل ہے اس بات کی کہ ہر طاعت پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ نہیں ہے بلکہ فتویٰ صرف ان چیزوں پر ہے جو مذکور ہوئے جن میں ضرورت پائی گئی۔‘‘(۱)

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ہر طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے اور نہ علماء نے اس پر فتویٰ دیا ہے بلکہ فتویٰ صرف ان چیزوں پر اجرت لینے کے جواز کا ہے جو فقہاء کے کلام میں مذکور ہے اور ان میں تراویح نہیں ہے اور تراویح میں ویسی ضرورت بھی متحقق نہیں ہے؛ کیونکہ تراویح میں قرآن سنانا فرض وشعار نہیں ہے بلکہ سنت ہے لہٰذا اگر یہ ترک بھی ہو جائے تو سنت کا ترک تو لازم آئے گا، فرض وشعارِ اسلامی کا ترک لازم نہیں آئے گا اس لئے اس پر اجرت جائز نہیں ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اس کو اجرت کے بجائے ہدیہ کہا جائے تو عرض ہے کہ ہدیہ میں جبر واکراہ نہیں ہوتا اور اس میں جبر ہوتا ہے، یہ کیسا ہدیہ ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ ہم شرط نہیں لگاتے اور بلا شرط یہ جائز ہے۔ مگر یہ بھی غلط ہے؛ کیونکہ فقہ کا قاعدہ ہے ’’المعروف کالمشروط‘‘ کہ جو عرف میں رائج ہو وہ ایسا ہے جیسے شرط کیا ہوا ہو، لہٰذا جب تراویح پر دینے لینے کا رواج ہے تو وہ شرط ہی کی طرح ہے، اس لئے کہ شرط نہ کرنے سے بھی یہ اجرت جائز نہیں ہوتی۔ بعض نے یہ بھی حیلہ بیان کیا ہے کہ پنج وقتہ نمازوں

(۱)فقال :وقداتفقت كلمتهم جميعا على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز ، ثم استثنوا بعده ما علمته فهذا دليل قاطع وبرهان ساطع على أن المفتى به ليس هو جواز الاستئجار على كل طاعة ، بل على ما ذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة۔ (شامی:۹/۷۶)

میں سے ایک دو وقت کی امامت بھی تراویح کے ساتھ کرلے تو اجرت لینا درست ہے، مگر یہ بھی صحیح نہیں؛ کیونکہ ہر کام اس کے مقصد کے لحاظ سے صحیح یا غلط ہوتا ہے اور یہاں چونکہ امامت مقصود نہیں بلکہ تراویح میں قرآن سنانا مقصد ہے، اس لئے مقصد ہی کا اعتبار کریں گے، امامت کا نہیں، اور اس مقصد پر اجرت درست نہیں الغرض اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام احقر کے رسالہ ''منکرات رمضان'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔

نابالغ کی اقتداء تراویح میں

نابالغ حافظ قرآن کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھنا درست نہیں ہے، تراویح میں نابالغ کی اقتداء کا مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے کہ بعض مشائخ نے اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے اس کو نادرست قرار دیا ہے، لیکن صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ نابالغ کی اقتداء کسی نماز میں بھی درست نہیں۔

---

(۱) مگر بحمداللہ جو حفاظ تراویح پر اجرت نہیں لیتے، اور آمدورفت رکھتے ہیں یا قیام وطعام بھی کرتے ہیں تو ان کی آمدورفت اور قیام وطعام کے انتظام کا ذمہ ذمہ داران مسجد پر عائد ہوگا، چنانچہ اسی مسئلہ کی بابت حضرت اقدس سے سوال ہوا کہ: ہماری مسجد میں ایک حافظ صاحب قرآن پاک تراویح میں سناتے ہیں، اور اس پر کوئی اجرت یا ہدیہ نہیں لیتے، مگر وہ دور سے آتے جاتے ہیں اور اسکوٹر سے آمدورفت کرتے ہیں، تو کیا ان کے آمدورفت کا خرچ مسجد والوں کے ذمہ ہے اور کیا یہ دینا جائز ہے؟ اس پر آپ نے تحریر فرمایا کہ: حافظ قرآن کو آمدورفت کا خرچ دینا مسجد کے ذمہ داروں کی ذمہ داری ہے اور یہ دینا بلاشبہ جائز ہے، اس کو اجرت نہیں سمجھا جائے گا۔

صاحبِ ''ہدایہ'' فرماتے ہیں:

''وفي التراويح والسنن المطلقة جوّزه مشايخ بلخ، ولم يجوّزه مشايخنا ...... والمختار أنهٗ لا يجوز في الصلوات كلها۔(۱)

(اور تراویح وسنت مؤکدہ میں بلخ کے مشائخ نے (نابالغ کی اقتداء) کو جائز قرار دیا ہے اور ہمارے مشائخ نے اس کی اجازت نہیں دی ہے اور مختار قول یہ ہے کہ (نابالغ کی اقتداء) تمام نمازوں میں نہ درست ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ اگر چہ اختلافی ہے مگر صحیح اور مختار قول یہی ہے کہ کسی بھی نماز میں نابالغ کی اقتداء درست نہیں، درمختار میں بھی اسی کو صحیح بلکہ اصح قرار دیا ہے۔(۲)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رَحِمَهُ اللهُ نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''فتویٰ اس پر ہے کہ نابالغ کے پیچھے تراویح بھی جائز نہیں، اگر کوئی بالغ حافظ نہ ملے تو الم ترکیف وغیرہ سے مختلف سورتیں پڑھ کر تراویح پڑھ لی جائے۔''(۳)

---

(۱) ہدایہ:۱/۳۶۹

(۲) (فقال: [ولايصح اقتداء رجل بامرأة وصبي مطلقا] ولوفي جنازة ونفل على الأصح۔ (درمختار مع شامی:۲/۳۲۱)

(۳) امداد المفتین:۳۶۳

اس سے معلوم ہوا کہ آج جو رواج پڑ گیا کہ نابالغ بچوں سے قرآن سننے کے شوق میں، ان کو امام بنا کر ان کی تراویح میں اقتداء کرتے ہیں، یہ غلط ہے، اگر بچوں کو عادت ڈالنے یا ان کی ہمت افزائی کے لئے امام بنانا ہو تو ان کے پیچھے نابالغ بچوں کو ہی پڑھائیں، اس سے ان کو عادت بھی پڑ جائے گی، ہمت بھی ہو جائے گی اور بڑے لوگ بھی ان کا قرآن سن سکیں گے۔

ٹیپ ریکارڈ (Tape recorder) کے ذریعہ تراویح

بعض لوگوں کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہ کسی اچھے قاری کی نماز تراویح کی آواز ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ کیسٹ (Cassette) میں بھر کر، پھر اسی آواز کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کرتے ہیں، مگر معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سراسر غلط اور فضول حرکت ہے اور اس سے نماز ادا نہیں ہوتی؛ کیونکہ یہ ایک غیر جاندار آلہ ہے جو اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس کی اقتداء کی جائے، غور کیجئے کہ جب نابالغ حافظ قرآن بچے کی اقتداء صحیح نہیں تو غیر جاندار آلہ کی اقتداء کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

پھر علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص نماز میں نہ ہو، اس کے امتثال سے یعنی اس کے حکم پر نقل و حرکت سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غیر جاندار آلہ، نماز سے خارج ہے، اس کے مطابق نقل و حرکت کرنا دراصل ایسی چیز کی اقتداء ہے جو خارج نماز ہے اور اس سے اقتداء اگر بالفرض صحیح ہو بھی گئی تو اس کے امتثال پر نماز فاسد ہو گی، اس لئے یہ محض جہالت ہے کہ ایک آلہ کو رکھ کر اس کے پیچھے نماز ادا کی جائے۔

ٹی وی (T.V) سے تراویح کی نماز

یہی حکم ٹی وی کا بھی ہے کہ یہ ایک غیر جاندار آلہ ہے، اس کی اقتداء بھی درست

نہیں ہوسکتی، لہٰذا اگر کسی جگہ کی نماز تراویح ٹی وی کے پردے پر دکھائی جائے اور کوئی اس کو دیکھ کر اس کی اقتداء کرے تو یہ درست نہیں ہے۔

اگر کوئی یوں کہے کہ ہم اقتداء تو مثلاً کعبۃ اللہ کے امام کی کر رہے ہیں یہ محض واسطہ ہے جیسے لوڈ اسپیکر (Loudspeaker) کا واسطہ ہوتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں؛ کیونکہ حسب تصریح فقہاء امام و مقتدی کا ایک ہی مکان میں ہونا اقتداء کے صحیح ہو نے کے لئے شرط ہے ورنہ اقتداء صحیح نہ ہوگی۔

نور الایضاح میں ہے:

وأن لا يفصل بين الإمام والمأموم صف من النساء، وأن لا يفصل نهر يمر فيه الزورق و لا طريق تمرفيه العجلة ـ(نور الايضاح مع مراقی :۱۰۸-۱۰۹ ،فقال:صلاة المؤتم بالإمام بشرط عشرة ......واتحاد مكانهما وصلاتهما ـ(۱)

(اقتداء کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان عورتوں کی صف فصل نہ کرے اور یہ کہ کوئی ایسی نہر بھی فصل نہ کرے جس میں چھوٹی کشتی چل سکے یا ایسا راستہ بھی نہ ہو جس میں گاڑی چل سکے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ امام و مقتدی کے درمیان اگر ایک گاڑی کا یا ایک نہر کا راستہ بھی حائل ہوگا تو اقتداء صحیح نہ ہوگی، اب ٹی وی دیکھنے والے اور ٹی وی پر نشر ہونے والی نماز کے امام پر غور کرو کہ ان دونوں میں کتنے راستے، کتنی نہریں حائل

---

(۱) درمختار مع شامی:۲/۲۸۴-۲۸۵

ہیں، پھر یہ اقتداء کیسے صحیح و درست ہوگی؟

البتہ اگر امام و مقتدی کا مکان (جگہ) ایک ہو، درمیان میں ایسی کوئی چیز حائل نہ ہو اور امام کی اقتداء کی نیت سے نماز پڑھ لی جائے، اور ٹی وی کو محض واسطہ خیال کرے تو نماز صحیح ہوجائے گی، جیسے سنا گیا کہ کعبۃ اللہ میں امام کی نقل و حرکت کے مشاہدہ کرنے کے لئے ایسا انتظام کیا گیا ہے تو یہ درست ہے، مگر چونکہ نماز میں نمازی کے سامنے دائیں بائیں، پیچھے یا اوپر تصاویر کا ہونا، مکروہ ہے۔ اس لئے اس سے اگرچہ نماز صحیح ہوجائے گی مگر مکروہ ہوگی۔

نور الایضاح میں ہے:

"وأن يكون فوق رأسه أو خلفه أو بين يديه أو بحذائه صورة"۔ (مکروہ ہے) کہ نمازی کے سر کے اوپر یا اس کے پیچھے یا اس کے سامنے یا اس کے بازو کوئی تصویر ہو۔ (۱)

اس لئے اس صورت سے بھی احتراز کرنا چاہئے تاکہ نماز مکروہ و ناقص نہ ہوجائے۔

گھروں میں با جماعت تراویح پڑھنا

نماز تراویح کے بارے میں علماء و ائمہ کا اختلاف ہے کہ وہ مسجد میں افضل ہے یا گھر میں؟ جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ نماز تراویح مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔ (۲)

---

(۱) نور الایضاح مع المراقی: ۱۳۲

(۲) **فقال**: ولأن الاجتماع على واحد أنشط لكثير من المصلين، وإلى قول عمر جنح الجمهور۔ (فتح الباری: ۵/۲۴۷)

اس لئے بہتر یہی ہے کہ تراویح کی نماز مسجد میں ادا کی جائے لیکن اگر کوئی گھر میں پڑھ لے تو کوئی گناہ نہیں، البتہ جمہور مذہب پر مسجد کی جماعت کی فضیلت اس کو حاصل نہ ہوگی۔(۱)

اور جن علماء کے نزدیک گھر میں تراویح پڑھنا افضل ہے، ان کے مذہب پر یہی افضل ہوگا، مگر جمہور کے مذہب کے خلاف کرنا اچھا نہیں، البتہ اگر کسی مصلحت دینیہ کے پیش نظر گھر میں جماعت بنا کر تراویح پڑھی جائے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے، مثلاً بچوں اور بیوی و دیگر گھر کی عورتوں کو تراویح کی عادت ڈالنے یا ان کی سہولت کی خاطر ایسا کرلے تو مضائقہ نہیں؛ کیونکہ بہت سے حضرات سلف صالحین سے منقول ہے کہ وہ گھر پر ہی تراویح پڑھتے تھے۔ مثلاً حضرت عروہ، حضرت قاسم، حضرت سالم، حضرت نافع وغیرہ کے بارے میں امام طحاوی نے نقل کیا ہے کہ وہ مسجد سے (فرض عشا) کے بعد لوٹ جاتے تھے اور لوگوں کے ساتھ مسجد میں نماز تراویح نہیں پڑھتے تھے۔(۲)

اس لئے اگر دینی مصلحت کی پیش نظر گھر میں جماعت بنالی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن سستی کی وجہ سے ایسا نہ کرنا چاہئے، تاکہ جمہور کی مخالفت لازم نہ آئے، اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ تراویح گھر میں پڑھنا ہو تو بھی عشاء کی نماز جماعت سے مسجد میں پڑھنا چاہئے۔

تراویح کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا

آج کل بہت سی مساجد میں عورتوں کے لئے تراویح کا انتظام کیا جاتا ہے،

---

(۱) فقال: أما لو تخلف عنها رجل من أفراد الناس وصلی في بیته فقد ترك الفضیلة، و إن صلی أحد في البیت بالجماعة لم ینالوا فضل الجماعة۔ (رد المحتار: ۲/ ۴۹۵)

(۲) شرح معانی الآثار: ۱/ ۳۵۰-۳۵۱

مگر یہ رواج علماء حنفیہ کی تصریحات کے خلاف نیز احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے مسجد کے بجائے ان کے گھر کو افضل قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کی نماز گھر کے اندر (دالان) میں افضل ہے اس کی نماز سے جو صحن میں ہو اور اس کی نماز اندر کی کوٹھری میں بہتر ہے اس کی نماز سے جو دالان میں ہو۔(۱)

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ عورت کے لئے اپنے گھر سے بہتر نماز کی کوئی جگہ نہیں، مگر حج و عمرہ میں (کہ وہاں مسجد میں پڑھنا بہتر ہے) سوائے اس عورت کے جو شوہر سے مایوس ہوگئی ہو (یعنی بوڑھی ہو تو وہ مسجد میں پڑھ سکتی ہے)۔(۲)

یہ اس دور کی بات ہے جبکہ عورتوں میں شرم وحیاء پردہ وحجاب کا کامل اہتمام

---

(۱)فعن عبدالله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها وصلا تها في مخدعها أفضل من صلا تها في بيتها۔

(ابوداود:۸۵الرقم،۵۷۰ ،سنن کبری للبیہقی:۳/۱۸۸،الرقم،۵۳۶۱،مستدرک حاکم:۱/۳۱۵،الرقم:۷۶۰)

(۲)فعن ابن مسعود أنه كان يحلف ، فيبلغ اليمين ،ما من مصلى للمرأة خير من بيتها إلا في حج أو عمرة إلا امرأة قد يئست من البعولة وهي في منقليها، قلت : ما منقليها؟ قال: امرأة عجوز قد تقارب خطوها۔

(مجمع الزوائد:۲/۱۵۶،الرقم،۲۱۱۴،سنن کبری للبیہقی:۳/۱۸۸،الرقم،۵۳۶۴،مصنف عبدالرزاق:۳/۱۵۰،الرقم،۵۱۱۷)

تھا، پھر اس کے بعد شرم و حیا کی کمی اور پردہ میں کوتاہی ہونے لگی تو صحابہ کرام نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا اور منع فرما دیا۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو مزاج شناس رسول تھیں، فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو دیکھتے جو عورتوں نے (بے پردگی وغیرہ کی) پیدا کر لی ہیں تو مسجد میں آنے سے ان کو ضرور منع فرما دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔(۱)

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دور کے حالات کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے تو غور کریں کہ موجودہ حالات میں ان کا کیا فتوی ہوتا؟ اس بنا پر فقہاء حنفیہ نے مطلقاً عورتوں کو منع کر دیا کہ وہ مسجد میں آئیں جیسا کہ فقہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے البتہ بہت ہی بوڑھی عورت کو اجازت دی ہے۔(۲)

---

(۱)فعن عمرة بنت عبد الرحمن أنها سمعت عائشة زوج النبي صلی اللہ علیہ وسلم تقول:لو أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رأى ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل ، قال : قلت لعمرة : أنساء بني إسرائيل منعن المسجد؟ قالت:نعم۔

(مسلم:۱۸۸،الرقم:۴۴۵،ابوداود:۸۵،الرقم،۵۶۹،مصنف عبدالرزاق:۳/۱۴۹، الرقم:۵۱۱۲)

(۲)**فقال**: ويكره لهن حضورالجماعات ، يعني الشواب منهن لما فيه من خوف الفتنة ، ولابأس للعجوز أن تخرج في الفجر و المغرب والعشاء ، وهذا عندأبي حنيفة ، وقالا:يخرجن في الصلوات كلها۔(ہدایہ:۱/۱۲۴)

فقال:[ويكره حضورهن الجماعة مطلقا]ولوعجوزا ليلا [على المذهب] المفتى به۔(درمختار مع شامی:۲/۳۰۷) ....

لہذا تراویح کے لئے عورتوں کومسجد میں نہ آنا چاہئے ،اس سے پرہیز کرنا ہی احتیاط کا مقتضی ہے ،اس مسئلہ پر تفصیل احقر نے اپنے ایک رسالہ میں پیش کی ہے جس کا نام ہے''عورت کی نماز ،حدیث وفقہ کی روشنی میں''۔
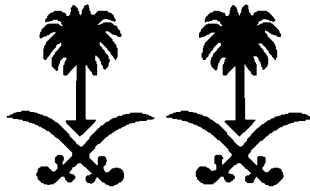
......................فقال ولا يحضرن الجماعات......لأنه لا يومن الفتنة من خروجهن ،أطلقه فشمل الشابة والعجوزوالصلاة النهارية والليلية ، قال المصنف في الكافي: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلاة كلها لظهورالفساد۔

(البحرالرائق:۱/۶۲۷-۶۲۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدقۂ فطر و فدیہ

صدقۂ فطر کی مقدار گرام کے حساب سے

صدقۂ فطر کی مقدار کے سلسلے میں اصل یہ ہے کہ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو دئے جائیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بخاری میں مروی ہے۔(۱)

پھر حضرات صحابہ وعلماء نے دوسرے اناجوں میں سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو کی قیمت کے برابر دینے کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک صاع جو یا کھجور سے موازنہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ میرے خیال میں گیہوں کا ایک مد دو مد برابر ہے۔(۲)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نصف صاع گیہوں ایک صاع جو یا کھجور کے برابر ہے ؛ کیونکہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے۔

(۱)فعن ابن عمر رضی اللہ عنہ:أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فرض زكاة الفطر، صاعاًمن تمرأوصاعاًمن شعيرعلى كل حرأوعبد، ذكرأو أنثى من المسلمين (بخاری:۲۹۳،الرقم:۱۵۰۴،مسلم:۳۷۹،الرقم:۹۸۴)

(۲)فعن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ **قال**: كنا نعطيها في زمان النبي صلی اللہ علیہ وسلم صاعامن طعام ، أو صاعا من تمر، أوصاعامن شعير، أو صاعا من زبيب ، فلما جاء معاوية ، وجاء ت السمراء ، قال :أرى مدًّا من هذا يعدل مدَّين۔(بخاری:۲۹۴،الرقم:۱۵۰۸،مسلم:۳۸۰،الرقم:۹۸۵)

جیسا کہ شامی نے لکھا ہے۔(۱)

جب آپ کے خیال میں ایک مد گیہوں دو مد کھجور کے برابر ہیں تو دو مد گیہوں چار مد کھجور یا جو کے برابر ہوئے اور دو مد کا آدھا صاع اور چار مد کا ایک صاع ہوتا ہے، لہذا اکثر علماء نے اسی کے مطابق صدقۂ فطر کی مقدار میں یہ لکھا ہے کہ کھجور یا جو دینا ہو تو ایک صاع اور گیہوں دینا ہو تو آدھا صاع دینا ہوگا۔(۲)

پھر جب علماء نے دیکھا کہ مد، صاع، رطل وغیرہ شرعی وفقہی اوزان و پیمانے رواج پذیر نہ رہے اور ان کی جگہ تولہ، ماشہ، سیر و چھٹانک وغیرہ جدید پیمانوں و اوزان نے لے لی ہے تو انہوں نے نہایت تحقیق وکاوش سے قدیم پیمانوں اور اوزان کو ان جدید اوزان و پیمانوں (جو ہمارے لحاظ سے قدیم ہو چکے ہیں) میں تبدیل کیا، اور لوگوں کے لئے سہولت و آسانیاں پیدا فرمادیں۔ چنانچہ اس مسئلہ پر سب سے زیادہ محقق ومفصل رسالہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ''اوزانِ شرعیہ'' کے نام سے لکھا ہے جو آپ کے مجموعہ رسائل ''جواہر الفقہ'' میں شامل ہے اور اس کی بڑے بڑے اکابر علماء نے تقریظ کی اور تعریف فرمائی ہے۔ اس رسالہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے بڑی لمبی بحث فرمائی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صاع کی مقدار مثقال کے حساب سے تین سیر چھ

---

(۱) **فقال:** [نصف صاع] فاعل يجب [من برأو دقيقه أو سويقه أو زبيب] بأن يعطي نصف صاع دقيق برأو صاع شعير يساويان نصف صاع بر وصاع شعير۔ (درمختار مع شامی:۳/۳۱۸-۳۱۹)

(۲) (ہدایہ :۲/۲۳۵، نورالایضاح مع المراقی:۲۶۳، بدائع الصنائع :۲/۵۴۰، مجمع الانھر :۱/۳۳۷، فتاوی عالمگیری:۱/۲۱۰، شامی:۳/۳۱۸، البحر:۲/۴۴۱، قدوری:۶۱، الاختیار لتعلیل المختار:۱/۱۲۳)

چھٹانک ہے اور آدھے صاع کی مقدار ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ہے اور درہم کے حساب سے صاع کی مقدار تین سیر چھ چھٹانک تین تولہ اور نصف صاع کی مقدار ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ڈیڑھ تولہ ہے اور بحساب مد صاع کی مقدار ساڑھے تین سیر چھ ماشہ اور نصف صاع کی مقدار پونے دو سیر تین ماشہ ہوتی ہے ۔ان تینوں مقداروں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے،مگر چونکہ آخری مقدار میں آدھا سیر زیادہ بتایا گیا ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ صدقہ فطر میں اسی کے لحاظ سے نکالا جائے یعنی گیہوں دینا ہو تو پونے دو سیر تین ماشہ کے حساب سے دینا چاہئے ،اسی میں احتیاط ہے اور جو وغیرہ دینا ہو تو اس کا دوگنا یعنی ساڑھے تین سیر چھ ماشہ دینا چاہئے ۔(۱)

مگر اب مشکل یہ ہے کہ تولہ، ماشہ، سیر اور چھٹانک کا زمانہ بھی ختم ہو گیا اور اب ہم اس قابل ہی نہ رہے کہ ان چیزوں سے حساب کر سکیں بلکہ یہ الفاظ عام طور پر غیر مانوس اور اس سے حساب و کتاب تقریباً مفقود ہو گیا ہے اور اس کی جگہ گراموں کا حساب رائج ہو گیا ہے اور بقول میرے استاذ حضرت مولانا مفتی مہربان علی صاحب مدظلہ العالی:

> ’’آج کل چونکہ میٹرک اوزان اور پیمانوں کا عام رواج ہو گیا ہے، اس لئے کسی وزن کو تولہ، ماشہ سے سمجھنا بھی اب اتنا آسان نہ رہا جتنا کہ کلوگرام اور ملی گرام اور کلومیٹر وغیرہ سے سمجھنا اور سمجھانا سہل ہو گیا۔‘‘(۲)

اس لئے اب علماء کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان شرعی اوزان کو کلوگرام، ملی

(۱)جواہر الفقہ :۱/ ۴۲۷

(۲)امداد الاوزان:۱/ ۲

گرام وغیرہ میں منتقل کیا جائے۔

یہ بات معلوم و مسلم ہے کہ ایک سیر ۹۳۳/گرام،۱۲۰/ملی گرام کے برابر ہوتا ہے اور ایک ماشہ ۹۷۲/ملی گرام کا ہوتا ہے، اس حساب سے پونے دو سیر تین ماشہ کو گراموں میں تبدیل کرنے سے گیہوں کے حساب سے ایک صدقہ فطر کی صحیح مقدار ایک کلو ۶۳۵/گرام،۸۷۲/گرام ہوتی ہے اور مزید احتیاط کے لئے بہتر ہے کہ ایک کلو ۷۵۰/گرام دے دیا جائے یعنی پاؤنے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت دیدی جائے، میرے استاذ مولانا مہربان علی بڑوتوی مدظلہ نے بھی ''امداد الاوزان'' میں یہی تحقیق فرمائی ہے۔

اگر کوئی اس سے زیادہ دیدے تو جائز ہے البتہ واجب وہی مقدار ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا یہ مقدار گیہوں کی بیان کی گئی ہے اور اگر جو یا کھجور دینا ہو تو اس کا دوگنا (Double) دینا چاہئے یعنی ساڑھے تین کلو اور اِن مذکورہ چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز مثلاً چاول دینا ہو تو یا تو پاونے دو کلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو کی قیمت کے برابر چاول وغیرہ دینا چاہئے۔

اس لئے اگر پونے دو کلو گیہوں یا ان کی قیمت دیجائے تو بہتر اور احتیاط ہے، ورنہ ایک کلو ۶۳۶ گرام گیہوں یا ان کی قیمت دیدیں، صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا اور یہ مقدار گیہوں کی ہے، اگر جو یا کھجور دینا ہو تو اس کا دگنا دینا ہوگا یعنی احتیاط پر عمل کرنے میں ساڑھے تین کلو ورنہ تین کلو ۲۷۲ گرام یا اس کے برابر قیمت۔

روزے کے فدیہ کی مقدار

جن صورتوں میں روزے کے بجائے فدیہ دیدینا جائز ہے، ان میں علماء نے

تصریح کی ہے کہ ایک روزہ کا فدیہ ایک فطرہ کے برابر ہے۔(۱)

لہٰذا موجودہ حساب کی رو سے اگر کوئی روزہ کا فدیہ دینا چاہے تو صدقۂ فطر کی جو مقدار اوپر لکھی گئی ہے وہی دینا ہوگا یعنی ایک روزہ کے بدلے پونے دوکلو گیہوں یا اس کی قیمت یا ساڑھے تین کلو جو یا کھجور یا اس کی قیمت دینا ہوگا اور یہ احتیاطاً ہے، ورنہ ایک کلو ۶۳۶ گرام گیہوں یا اس کی قیمت یا تین کلو ۲۷۲ گرام جو یا کھجور یا اتنی قیمت دیدینا کافی ہوگا۔

صدقۂ فطر سیدوں کو دینا

صدقۂ فطر صرف ان لوگوں کو دینا جائز ہے جن کو زکوۃ دی جاسکتی ہے اور جن کو زکوۃ دینا جائز نہیں، ان کو صدقۂ فطر دینا بھی جائز نہیں اور یہ معلوم ہے کہ سید، (ہاشمی) کو زکوۃ دینا جائز نہیں، اس لئے صدقۂ فطر بھی ان کو نہیں دیا سکتا، جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تصریح کی ہے۔(۲)

اگر موجودہ دور میں جب کہ محتاج سیدوں کو اس کے سوا چارہ نہیں رہا کہ وہ زکوۃ وصدقات اصول کر کے اپنا گزارہ کریں، کیا اس حکم میں کسی ترمیم کی گنجائش ہے؟ اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ جائز ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں:

---

(۱)**فقال**: الفدية لكل يوم نصف صاع من بر۔(نورالایضاح مع مراقی:۲۵۲)

فقال: والشيخ الفاني الذي لا يقدرعلى الصيام يفطر و يطعم لكل يوم مسكينا ......نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو شعير۔ (ہدایہ:۲/۲۷۰)

(۲)**فقال**:[مصرف الزكاة والعشر]وهو أيضا مصرف لصدقة الفطر،فقال:[لاتصرف......إلى بني هاشم](درمختار مع شامی:۳/۲۸۳،۲۹۹)

"و روى أبو عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بني هاشم في زمانه ؛لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم لإهمال الناس أمر الغنائم و إ يصالها إلى مستحقيها۔و إذا لم يصل إليهم العوض عادوا إلى المعوض، كذا في البحر"(۱)

(ابوعصمہ نے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے زمانے میں ہاشمی کو (زکوۃ) دینا جائز قرار دیا ہے؛ کیونکہ زکوۃ کا عوض یعنی غنیمت کا خمس الخمس ان لوگوں تک نہیں پہنچا؛ کیونکہ لوگ اموال غنیمت میں اوراس کو مستحقین تک پہنچانے میں ڈھیل برت رہے ہیں جب ان کو عوض نہ پہنچا تو معوض یعنی زکوۃ ملنا چاہئے۔

حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب رحمہ اللہ بانی باقیات الصالحات ویلور نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(۲)

اور حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ نے امام صاحب کے قول کو نقل فرما کر کہا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔(۳)

مگر ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ قول معمول بہ نہیں ہے، مفتی بہ و معمول بہ یہی ہے کہ سید کو زکوۃ و صدقات واجبہ دینا جائز نہیں، یہی ظاہر الروایۃ ہے۔(۴)

(۱) درمختار مع شامی:۳/ ۲۹۹

(۲) فتاوی باقیات صالحات:۹۴

(۳) شرح معانی الاثار:۲/ ۱۱

(۴) اعلاء السنن:۹/ ۸۱، البحر الرائق:۲/ ۲۴۷

وجہ اس کی یہ ہے کہ سیدوں کو اس سے احتراز کا حکم اس لئے ہے کہ زکوٰۃ و صدقات واجبہ لوگوں کا میل کچیل ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس سے بچائے رکھنا چاہتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا، اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو روکے رکھو؛ کیونکہ صدقات لوگوں کا غسالہ و میل کچیل ہے۔(۱)

اور یہ وجہ حرمت ہر زمانہ میں موجود ہے۔ اس لیے سیدوں کو زکوٰۃ وفطرہ نہ دینا چاہئے اور ان کو لینا بھی نہیں چاہئے اور خمس الخمس کو جو زکوٰۃ وصدقات کا عوض بتایا گیا ہے۔ جیسے امام ابو حنیفہ سے اوپر منقول ہوا، اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اب موجودہ حالات میں ان کو زکوٰۃ دینا درست ہے، کیونکہ اس سے صرف یہ ثابت ہوا کہ زکوٰۃ وصدقات سے ان کو محروم کر کے، ان کے لیے دوسرا راستہ کھولا گیا تھا، اب یہ راستہ بند ہو گیا ہے تو اس کا دوسرا طریقہ ڈھونڈھنا چاہئے، یہ نہیں کہ جس چیز سے ان کو بچا کر رکھنے ہی کے لیے ان کو خمس الخمس دیا جاتا تھا، اسی راستہ کو کھول دینے اور اسی میں ان کو ملوث کرنے کی کوشش کی جائے۔

الغرض زکوٰۃ کی طرح فطرہ بھی سیدوں کو نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کو لینا چاہئے، اگر قرابت رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا احساس ہے تو دینے والوں کو چاہیے کہ دوسرے اچھے مال سے انکی خدمت کر کے ماجور ہوں۔(۲)

(۱) کنز العمال عن الطبرانی کذا فی اعلاء السنن: ۹/ ۷۹

(۲) اسی مسئلہ کے تعلق سے حضرت والا نے حسبِ روایت نہایت محقق و مدلل اور بہت متوازن و معتدل تحریر حال ہی میں سپرد قرطاس فرمائی ہے، تحقیق پسند احباب کی خدمت میں یہ مکمل تحریر درج ذیل کی جاتی ہے:..................................

....

..........**سوال:** موجودہ دور میں لوگ عام طور پر غیر زکوۃ سے خرچ کرنے کے عادی نہیں ہیں، زیادہ سے زیادہ صرف زکوۃ نکالتے ہیں، ان حالات میں سوائے زکوۃ کے کسی اور مد سے سیدوں کو دینے والا کوئی نہیں، اگر یہ کہہ دیا جائے کہ سیدوں کو زکوۃ جائز نہیں تو غریب سیدوں کے گزارے کا مسئلہ بہت پریشان کن ہوگا۔ کیا ان حالات میں سیدوں کو زکوۃ دینے کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اور کیا یہ مسئلہ متفقہ ہے؟ اس میں احناف و دیگر ائمہ کیا کہتے ہیں؟ کیا امام ابوحنیفہ کی ایک روایت بھی ان کو دینے کے جواز کی موجود ہے؟ (مولانا طارق)

الجواب: سیدوں یعنی بنی ہاشم کو زکوۃ دینے کی حرمت منصوص ہے، کیونکہ احادیث میں صراحت کے ساتھ اس سے منع کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ:

"إن هذه الصدقة إنما هي أوساخ الناس ، ولا تحل لمحمد ولا لآل محمد " (یہ صدقہ تو بس لوگوں کا میل ہے، اور محمد و آل محمد کے لئے حلال نہیں)

(صحیح مسلم: ۲۵۳۱، صحیح ابن خزیمہ: ۴/۵۵، ابوداود: ۲۹۸۷، نسائی: ۲۶۰۹)

لہذا منصوص کے مقابلہ میں کوئی اجتہادورائے معتبر نہیں ہوتی، پھر اس پر امت کا اجماع بھی ہو چکا ہے۔ علامہ ابن قدامہ الحنبلی لکھتے ہیں کہ:

" لا نعلم خلافا في أن بني هاشم لا تحل لهم الصدقة المفروضة "(بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہونے کے مسئلہ میں کسی اختلاف کا علم نہیں)

(المغنی لابن قدامۃ: ۵/۲۲۴)

اور علامہ نووی شافعی نے بھی لکھا ہے کہ:" فالزكاة حرام على ....

....

.... بني هاشم و بني المطلب بلا خلاف ، إلا ما سبق فيما إذا كان أحدهم عاملا و الصحيح تحريمه "(المجموع شرح المهذب:۵/۲۲۷)

ان کے علاوہ علامہ عبدالرحمٰن ابن قدامہ نے الشرح الکبیر (۲/۷۱۰) میں اور البھوتی نے کشف القناع (۵/۴۱۱) میں سیدوں پر زکاۃ کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ سیدوں کے گذر معاش کا مسئلہ کیسا حل ہو؟ تو یہ مسئلہ آج کا نہیں، بلکہ پہلے ادوار میں بھی زیر بحث آچکا ہے، اور خود امام ابو حنیفہ کی روایت اس کا پتہ دیتی ہے کہ اُس دور میں بھی سیدوں کے سلسلہ میں یہ مسئلہ زیر غور آیا ہے، امام صاحب کی ایک روایت تو اس بارے میں یہی ہے کہ اب سیدوں کو زکوۃ دینا جائز ہے، اور اس کی وجہ انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ پہلے سیدوں کو مال غنیمت میں سے خمس یعنی پانچواں حصہ دیا جاتا تھا، اور یہ بطورِ حقِ قرابت رسول ان کو ملتا تھا، مگر جب لوگوں نے مال غنیمت کے سلسلہ میں کوتاہی کی اور سیدوں کو ان کا حصہ دینے سے پہلو تہی کی تو ان کو زکوۃ کی مد سے دینا جائز ہے۔

(البحر الرائق:۲/۲۶۶،شامی:۲/۳۵۰)

لیکن امام صاحب کا مذہب جس پر اصحاب متون نے اتفاق کیا ہے اور اس کو اپنے متون میں درج کرنے کا اہتمام کیا ہے وہ یہی ہے کہ سیدوں کو کسی حال میں زکوۃ دینا جائز نہیں۔اور امام صاحب کی اس دوسری روایت کو فقہاء نے ضعیف قرار دیکر رد کیا ہے، اور اکثر اصحاب متون نے اس کا ذکر تک نہیں کیا ہے، اور بعض نے صاف طرح سے اس روایت کے رد کی جانب اشارہ کیا ہے۔.................

....

..............اور مذہب اسی کو قرار دیا ہے کہ سیدوں کو کسی حال میں بھی زکوۃ دینا جائز نہیں۔

ہاں شوافع میں سے علامہ ابو سعید اصطخری کہتے ہیں کہ زکوۃ سے سیدوں کو اس لئے محروم کیا گیا تھا کہ ان کو مال غنیمت کا خمس دیا جاتا تھا، جب ان کو اس میں سے نہیں ملتا ہے تو ان کو زکوۃ دینا واجب ہے۔ مگر خود حضرات شوافع نے اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ مذہب شوافع تو یہی ہے کہ سیدوں کے لئے زکوۃ جائز نہیں، کیونکہ زکوۃ کا ان کے حق میں حرام ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کی وجہ سے ہے، اور یہ علت ان کو خمس نہ دئے جانے سے زائل نہیں ہو جاتی۔

(التنبیہ لابی اسحاق الشیرازی: ۱/۵۲، المہذب: ۱/۱۷۴، المجموع شرح مہذب: ۶/ ۲۲۷، حلیۃ العلماء للقفال: ۳/۵۴)

البتہ اکثر مالکیہ نے یہ لکھا ہے کہ اگر سیدوں کو ان کا بیت المال سے حصہ نہ پہنچے اور اس کی وجہ سے فقر و فاقہ ان کو مجبور کر دے تو ان کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ علامہ خرشی نے مختصر خلیل کی شرح میں اور علامہ دسوقی نے ''الشرح الکبیر'' کے حاشیہ میں، علامہ صاوی نے ''بلغۃ السالک'' میں لکھا ہے کہ:

''محل عدم إعطاء بني هاشم إذا أعطوا ما يستحقونه من بيت المال فإن لم يعطوه و أضر بهم الفقر أعطوا منها ، و إعطاؤهم حينئذ أفضل من إعطاء غيرهم''

(شرح خلیل للخرشی: ۶/ ۳۳۹، الدسوقی علی الشرح الکبیر: ۴/۷۰، بلغۃ السالک: ۱/ ۴۲۷)..

....

.........لیکن اسی کے ساتھ علامہ باجی مالکی نے یہ قید بھی لگائی کہ یہ جواز اس وقت ہے کہ اضطرار یہاں تک پہنچادے کہ مردار کا کھانا اس کو جائز ہو جائے تو اس کے لئے زکوۃ جائز ہے، اس شرط کو بعض فقہاء مالکیہ نے قبول کیا اور فرمایا کہ یہی ظاہر و متعین ہے، اور بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر کے حوالوں سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بہت سے مالکیہ کے یہاں بھی جواز ایک شرط سے مشروط ہے کہ حالت اضطرار ہو، ورنہ سیدوں کو زکوۃ دینا ان کے یہاں بھی جائز نہیں ہے۔ ہاں بعض نے صرف حاجت کی وجہ سے بھی جائز قرار دیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ حنفیہ، شافعیہ و حنابلہ تو مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں، اور یہاں کا اصل مذہب ہے۔ اور جو امام ابوحنیفہ اور علامہ اصطخری سے دوسری روایت جواز کی مروی ہے اس کو حنفیہ و شافعیہ نے رد کردیا ہے، اور مالکیہ کے اکثر فقہاء نے اگرچہ موجود حالات میں خمس نہ ملنے کی وجہ سے ان کو زکوۃ دینے کا جواز اختیار کیا ہے، مگر اس شرط سے کہ اضطرار پیدا ہو جائے اور اس کی وجہ سے مردار کھانا اس کو حلال ہو۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس شرط کے ساتھ سبھی علماء کے نزدیک سیدوں کو زکوۃ دینا جائز ہوگا، کیونکہ جب مردار کھانا ہی حلال ہو جائے تو زکوۃ کھانے میں کیا حرج ہوسکتا ہے۔ تو یہ ایک انتہائی مجبوری کی صورت کا حکم ہے۔

الغرض اس روایت کی بنیاد پر فقہاء نے جواز کو اختیار نہیں کیا، بلکہ ضرورت ہونے کے باوجود اس کو رد کیا ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ زکوۃ کا ان کے حق میں منع ہونا دراصل قرابت رسول و شرافت رسول کی وجہ سے ہے،...........................

صدقۂ فطر میں نوٹ دینا

یہ بات مسلم ومعلوم ہے کہ نوٹ خود مال نہیں ہے بلکہ یہ دراصل اس مال کی سند اور چیک ہے جو بہ ذمہ گورنمنٹ ہے، اسی لئے اگر جلی کٹی نوٹ بتائی جائے تو بھی پورا مال مل جاتا ہے۔ الغرض نوٹ مال نہیں بلکہ مال کی سند ہے اور صدقۂ فطر اور دوسرے صدقات واجبہ میں یہ ضروری ہے کہ مستحق محتاج کو صدقہ کے مال کا مالک بنا دیا جائے، اگر اس کو مال کا مالک نہ بنایا گیا تو زکوۃ وفطرہ وغیرہ ادا نہ ہوں گے۔

اس حکم کے پیش نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کل نوٹوں کا رواج بہت ہو گیا ہے اور بسا اوقات مہینوں تک روپیہ دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی بلکہ سارا کام وکار وبار نوٹ پر ہی چلتا رہتا ہے اور جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، نوٹ خود مال نہیں، لہٰذا اگر نوٹ کے ذریعہ صدقۂ فطر دیا جائے تو ظاہر ہے کہ مال نہیں بلکہ مال کی سند اس کو دی گئی ہے تو کیا اس صدقۂ فطر دینے والے کا صدقہ ادا نہ ہوگا؟

اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ حضرت مفتی

............اور یہ بات ہر حال میں موجود ہے۔ لہذا جب علت منع موجود ہے تو حکم بھی موجود و باقی ہے۔ اب رہا یہ کہ لوگ سیدوں کو دوسرے مدات سے نہیں دیتے تو اس کے لئے ترغیب وتشویق دلانے کا اہتمام کرنا چاہئے، اور بار بار توجہ دلانا چاہئے، آخر سوچنے کی ضرورت ہے کہ یہی امت تو آج مدارس اسلامیہ اور مساجد کے لئے کروڑ ہا روپیہ خرچ کر رہی ہے، اوران کی تعمیرات پر خوب لگا رہی ہے اور یہ غیر زکوۃ سے ہی خرچ کیا جا رہا ہے، تو کیا اگر لوگوں کو ترغیب دی جائے تو لوگ ان پر خرچ نہیں کریں گے؟ لہذا بندہ کے نزدیک ان حالات میں بھی سیدوں کو زکوۃ کا جواز صحیح نہیں ہے۔

محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ وغیرہ نے زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کے نوٹ سے ادا کرنے پر یہ بیان کیا ہے کہ زکوٰۃ وصدقہ ادا نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ صدقہ لینے والا شخص اس نوٹ کو نقد (CASH) نہ کرالے، جب وہ نقد کرالے گا تو ادا ہو جائے گی، ورنہ اگر خدانخواستہ نوٹ نقد کرانے سے پہلے گم ہو جائے تو زکوٰۃ وصدقہ ادا ہی نہ ہوگا۔(۱)

مگر دوسرے علماء نے موجودہ حالات کے پیش نظر اس کو بھی جائز قرار دیا ہے

---

(۱) چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے استفتاء کیا گیا کہ زکوٰۃ میں نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فتوی دیا کہ: چونکہ وہ مال نہیں محض سند مال ہے، اس لئے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی -اور آگے لکھتے ہیں کہ-مسکین کو نوٹ دیا اور اس مسکین نے اس کو نقد یا کسی جنس کے بدلے فروخت کر کے اس نقد یا جنس پر قبضہ کرلیا، اب قبضہ کے وقت زکوہ وغیرہ ادا ہوگئی، اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوئیں مثلاً اس مسکین کے پاس سے وہ نوٹ ضائع ہو گیا یا اس نے اپنے قرض میں کسی کو دیدیا، ان صورتوں میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔(امداد الفتاوی:۲/ ۵-۶)

اسی طرح حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اگر نوٹ زکوۃ میں دیا گیا تو جس وقت وہ شخص اس کو روپیہ سے بدل لے گا، اس وقت زکوۃ ادا ہو جائے گی۔(فتاوی دار العلوم دیو بند:۶/ ۸۳)

حضرت مفتی ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

(امداد الاحکام:۳/ ۱۳)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

(کفایت المفتی:۴/ ۲۷۸)

کہ نوٹ کے ذریعہ صدقہ ادا کیا جائے اور یہ کہ اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؛ کیونکہ نوٹ کا رواج اس قدر ہو گیا ہے کہ اب عرف میں نوٹ ہی کو مال وثمن خیال کیا جاتا ہے لہٰذا عرف کی بنا پر نوٹ کو مال کا حکم ہوگا، جبکہ یہ مال ہے تو اس کو دینے سے زکوٰۃ و فطرہ ادا ہو جائے گا۔ حضرت علامہ عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ ہی میں نوٹ کو مال وثمن کے قائم مقام قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن (مال) نہیں عرفاً حکم ثمن میں ہے بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے۔ (۱)

لہٰذا موجودہ دور میں اسی کو افتاء کے لئے اختیار کرنے میں سہولت ہے۔ (۲)

صدقۂ فطر میں کنٹرول ریٹ (Control Rate) کا اعتبار نہیں

شہروں میں حکومت کی طرف سے کنٹرول ریٹ پر لوگوں کی سہولت کے لئے اناج غلہ دیا جاتا ہے اور اس سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو راشن کارڈ (Ration Card) اپنے پاس رکھتے ہیں، کنٹرول ریٹ پر دیا جانے والا اناج وغلہ بازاری عام قیمت کے لحاظ سے بہت ارزاں وسستا ہوتا ہے، اس صورت حال میں سوال پیدا ہونا طبعی بات ہے کہ صدقۂ فطر میں گیہوں کی کونسی قیمت کا اعتبار کیا جائے؟ بازاری عام قیمت کا یا کنٹرول ریٹ کا؟

---

(۱) مجموعۃ الفتاویٰ: ۲/ ۲۲۷

(۲) اسی رائے کو حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب مرتب فتاوی دار العلوم، دیوبند اور صاحب احسن الفتاوی نے بھی اختیار کیا ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند حاشیہ: ۶/ ۸۳، احسن الفتاوی: ۴/ ۲۶۶)

اس کا جواب یہ ہے کہ عام بازاری قیمت کا اعتبار ہوگا، کنٹرول ریٹ (راشن) کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیونکہ شریعت کا مقصود یہ ہے کہ نصف صاع (یعنی پونے دوکلو) گیہوں مسکین کو پہنچ جائے یا اگر قیمت دی جائے تو اس قیمت سے وہ بازار سے اگر چاہے تو اتنی گیہوں خرید سکے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ راشن کارڈ ہر کسی کے پاس ہونا تو ضروری نہیں، لہذا بازار سے خریدنے کے لئے عام بازاری قیمت دینا چاہئے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

> ''قیمت ادا کرنی ہو تو بازاری دام سے ادا کرنی ہوگی کنٹرول (راشن) کی قیمت معتبر نہیں۔ فقیر کے ہاتھ میں اتنی رقم پہنچنی چاہیے کہ اگر وہ اس کے گیہوں خریدنا چاہے تو پونے دوکلو گیہوں بازار میں مل جائیں۔ کنٹرول (راشن) کے حساب سے قیمت دی جائے گی تو بازار سے اتنے گیہوں نہیں ملیں گے۔'' (۱)

غرض یہ کہ کنٹرول ریٹ کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ عام بازاری قیمت دینا چاہئے، ہاں کوئی گیہوں ہی دینا چاہے تو اختیار رہے کہ وہ خواہ بازار سے خرید کر دے یا راشن کارڈ کے ذریعہ خرید کر دے، اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ فقیر کے ہاتھ خود گیہوں پہنچ گئی ہے۔

جہاں اشیاء منصوصہ نہ ملتی ہوں وہاں صدقۂ فطر کس طرح ادا کریں

صدقۂ فطر کا پانچ چیزوں سے دینا شریعت میں منصوص ہے یعنی شعیر (جو) تمر

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۱۷۳/۵-۱۷۴

(کھجور) حنطہ (گیہوں) اقط (پنیر) اور زبیب (کشمش) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں اور حضرات صحابہ کرام کے زمانے میں انھی پانچ چیزوں سے صدقۂ فطر دیا جاتا تھا جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔ (۱)

احادیث کی روشنی میں علماء حنفیہ نے لکھا ہے کہ گیہوں دینا ہو تو نصف صاع اور دوسری چیزیں دینا ہو تو ایک صاع دینا چاہئے (اور صاع کی مقدار پہلے گزر چکی ہے اور اگر قیمت دینا ہو تو بھی اسی لحاظ سے قیمت دینا چاہیے کہ گیہوں میں نصف صاع کی اور دیگر اشیاء میں ایک صاع کی قیمت۔ (۲)

مگر یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض علاقے ایسے ہیں جہاں یہ منصوص اشیاء پیدا ہی نہیں ہوتیں اور وہاں کے لوگوں میں ان چیزوں کے استعمال کا رواج بھی نہیں ہے بلکہ وہاں دوسری چیزیں کھائی جاتی ہیں، یہ لوگ اگر اپنی جگہ کی رائج غذاؤں میں سے کوئی چیز صدقۂ فطر میں دیدیں تو جائز ہوگا؟ اگر نہیں تو منصوص اشیاء کی قیمت کس اعتبار سے ادا کریں جبکہ وہاں یہ چیزیں پیدا ہی نہیں ہوتیں اور نہ ملتی ہیں؟

---

(۱) بخاری: ۲۹۳-۲۹۴، الرقم: ۱۵۰۵-۱۵۱۲، مسلم: ۳۷۹-۳۸۱، الرقم: ۹۸۴-۹۸۵، ترمذی: ۲/۵۱-۵۵، الرقم، -۶۷۳-۶۷۶ ، ابوداود : ۲/ ۳۴۶ - ۳۵۲، الرقم، ۱۶۰۷-۱۶۱۹، سنن کبری للنسائی: ۳/ ۳۶-۴۳، الرقم: ۲۲۹۱ - ۲۳۰۹، سنن ابن ماجہ: ۲/ ۲۸۳-۲۸۷، الرقم، ۱۸۲۵-۱۸۳۰، سنن کبری للبیہقی: ۴/ ۲۶۹-۲۸۵، ۷۶۷۰-۷۷۱۵

(۲) فقال: [یجب نصف صاع من بر أو دقیقه أو سویقه أو زبیب أو صاع تمر أو شعیر] ولو ردیئا وما لم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة۔

(درمختار مع شامی: ۳/ ۳۱۸-۳۱۹، البحر: ۲/ ۴۴۱-۴۴۳، ہدایہ: ۲/ ۲۳۵، نور الایضاح: ۲۶۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں کا اپنی رائج غذاؤں میں سے کسی چیز کا صدقۂ فطر میں دے دینا کافی نہیں ہے بلکہ منصوص اشیاء میں سے کسی ایک کی قیمت دینا چاہیے۔

درمختار میں ہے:

”ومالم ينص عليه يعتبر فيه القيمة “(یعنی جو چیزیں منصوص نہیں ان میں قیمت کا اعتبار ہوگا)(۱)

اب رہا یہ سوال کہ قیمت کس اعتبار سے دی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان علاقوں سے قریب جو علاقے ایسے ہیں جہاں یہ منصوص اشیاء ملتی ہیں وہاں کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ فتاوی محمودیہ میں حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے بھی اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں یہی تحریر فرمایا ہے۔(۲)

(۱) درمختار مع شامی: ۳/۳۱۹

(۲) چنانچہ اسی مسئلہ کے متعلق تفصیلاً گفتگو کرنے کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: ”مقامات خط کشیدہ میں سے جو مقام آپ کے زیادہ قریب ہو اور وہاں اشیاء منصوصہ ملتی ہوں، وہیں کے نرخ کا اعتبار کرلیا جاوے“۔ فتاوی محمودیہ: ۷/۲۷۴